الاربعین للمداخیلی

مؤلف: حسن زیب بن ثابت خان

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن متخصص جامعہ اسلامیہ کلفٹن

نظر ثانی: محمد طارق (ابن سلیم)

فاضل جامعہ بنوریہ العالمیہ متخصص جامعہ اسلامیہ کلفٹن

مؤلف: حسن زیب بن ثابت خان

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

متخصص جامعہ اسلامیہ کلفٹن

نظر ثانی: محمد طارق (ابن سلیم)

فاضل جامعہ بنوریہ العالمیہ متخصص جامعہ اسلامیہ کلفٹن

نحمدہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا

ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

چہل حدیث کا یہ مجموعہ تخریج کردہ چالیس صحیح احادیث پر مشتمل ہے۔

جو معاشرے کی اصلاح میں اہم بیانیہ پر مشتمل ہیں۔

یہ مجموعہ عوام اور مبتدی طالب علم کیلئے نافع ہو گا۔

قَالَ رَسولُ اللّٰہِ صَلیَ اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا، ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّي، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ۔

سنن ابن ماجة: (رقم الحديث: 236-1/272، دار التاصيل)

فہرست

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے بعد دوسرا اہم ترین اسلامی ماخذ ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر کی روایات پر مشتمل ہے۔

اور حدیثیں مسلمانوں کو نہ صرف عقائد اور عبادات کے بارے میں بتاتی ہیں بلکہ انہیں ایک بہتر انسان بننے کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

حدیث کی حجت ہونے کے مختصر دلائل:

قرآن مجید میں حدیث کی حجت ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ**﴾ (النساء: ٥٩) آیت ﴿**يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ**﴾ (النساء: ٥٩) سے

حدیث کی حجت ہونے پر استدلال:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

اولی الامر سے مراد علما اور حکام ہیں۔

علماء کا استدلال ہے کہ یہ آیت حدیث کی حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی تشریح اور تبیین فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اللہ تعالیٰ کے احکامات کی طرح واجب العمل ہیں۔

علماء نے اس آیت سے حدیث کی حجت ہونے پر درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مومنین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال کی پیروی کرنی چاہیے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال ہی حدیث ہیں۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور اولی الامر سے مراد علما اور حکام ہیں۔ علما اور حکام کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے آگاہ کریں۔ اور یہ کام وہ حدیث کے ذریعے انجام دیتے ہیں۔

اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مومنین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم نہ دیتا۔

خلاصہ یہ کہ آیت ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ**﴾ **(النساء: ٥٩)** سے حدیث کی حجت ہونے پر قوی دلیل ملتی ہے۔

تاہم یہ بات قابل ذکر ہے کہ تمام احادیث حجت نہیں ہیں۔ صرف وہ احادیث حجت ہیں جو صحیح اور معتبر ہوں۔ اور صحیح اور معتبر احادیث وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں اور ان کی سند قوی ہو۔

ایک اور ایت میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ وَما آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقابِ }

(الحشر: 7)

ترجمہ: جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔

اسی طرح ایک اور ایت میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ [الأحزاب: 21]

ترجمہ:

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

استدلال:

یہ ایت حدیث کی حجت ہونے پر ایک اور دلیل ہے۔ اس ایت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان ایتوں سے حدیث کی حجت ہونے کے درج ذیل دلائل اخذ کیے جاسکتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خود مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال مسلمانوں کے لیے قابلِ اتباع قرار دیے ہیں۔

حدیث سے استدلال

حدیث میں ہے:

عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ. " (الموطأ: كتاب القدر، باب :1رقم الحديث:3ص49 الناشر: مصطفى البابي الحلبي (دار إحياء التراث العربي)

ترجمہ:

حضرت مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جن پر تم تمسک کروگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

استدلال:

یہ حدیث حدیث کی حجت ہونے پر ایک واضح دلیل ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے دو چیزیں چھوڑی ہیں: اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر امت ان دو چیزوں پر تمسک کرے گی تو کبھی گمراہ نہیں ہو گی۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دین کا ایک اہم جزء ہے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تشریح اور وضاحت کرتی ہے اور نئے مسائل کے حل کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس حدیث سے حدیث کی حجت ہونے کے درج ذیل دلائل اخذ کیے جا سکتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حدیثوں کو اپنی سنت کا حصہ قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کو گمراہی سے بچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حدیثوں کو دین کا جزو سمجھا اور ان پر عمل کیا۔

ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے حدیثوں کو فقہ اسلامی کی بنیاد بنایا۔ لہٰذا احادیثِ مبارکہ کی حجیت قرآنِ حکیم سے ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص تمام احادیثِ مبارکہ کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔۔ اگر کوئی شخص کسی خاص حدیث کا انکار کرتا ہے جسے جمہورِ اہلِ سنت نے قبول کیا ہے تو وہ گم راہ ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص کسی دوسرے نص کی بنیاد پر، یا اس کے نزدیک حدیث صحیح سند سے ثابت نہ ہونے کی بنا پر، یا کسی معتبر تاویل کی وجہ سے کسی حدیث کا انکار کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

چهل احادیث

حدیث نمبر:۱

نیک اعمال کی قبولیت کا انحصار درست نیت پر ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ". «صحيح البخاری: (رقم الحديث: 8/392-6696، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

محمد بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے علقمہ بن وقاص لیثی سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ بلاشبہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے گا پس جس کی ہجرت (وطن چھوڑنا) اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو گی تو واقعی وہ انہیں کے لیے ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہو گی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہو گی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔

وضاحت:

یہ بہت عظیم الشان حدیث ہے۔ بعض علماء کرام نے تو اسے تہائی اسلام کہا ہے۔ مومن کو اس کی نیت اور اس کی درستگی کے مطابق ثواب دیا جاتا ہے۔ پس جس کے اعمال خالصتاً اللہ کے لیے ہوں، انہیں شرف قبولیت حاصل ہو گی اگرچہ وہ بہت تھوڑے اور ہلکے ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہوں۔ اور جس کے اعمال لوگوں کو دکھانے کے لیے ہوں اور خالصتا اللہ کے لیے نہ ہوں تو وہ رد کر دیے جائیں گے اگرچہ وہ بہت بڑے اور بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ہر وہ عمل جس سے اللہ کی رضا کے بجائے کچھ اور مقصود ہو چاہے یہ مقصود کوئی عورت ہو یا پھر مال و جاہ یا امورِ دنیا میں سے کچھ اور تو اسے صاحب عمل پر رد کر دیا جاتا ہے اور

اس کا یہ عمل اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ نیک عمل کی قبولیت کی دو شرائط ہیں: ایک تو یہ کہ عمل خالصتاً اللہ کے لیے ہو اور دوسرا یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق ہو۔

فهجرته إلى ما هاجر إليه"۔(اس کی ہجرت یعنی وطن چھوڑنا اسی چیز کے لیے ہے، جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔) یہاں آپ ﷺ نے دنیا کی طرف ہجرت کرنے والے کے لیے حاصل ہونے والی چیز کو مبہم رکھا ہے، جب کہ اس کے برخلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والے کے لیے حاصل ہونے والی چیز کی صراحت فرمادی ہے۔ یہ حسن بیان اور بلاغتِ کلام کا ایک نمونہ ہے۔

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے، جن پر اسلام کا مدار ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے کہا ہے کہ اسلام کا مدار دو حدیثوں پر ہے۔ ایک یہ حدیث اور دوسری صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث : **"مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ" (صحيح مسلم حديث نمبر:1718ج3ص1343دار الحديث القاهرة)** یعنی جس نے کوئی ایسا کام کیا، جو ہمارے دین کا حصہ نہیں ہے، تو اسے رد کیا جائے گا۔ اس طرح دیکھا جائے، تو یہ حدیث اعمال قلوب کی اصل ہے، جو کہ باطنی اعمال کی میزان ہے، جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اعمال جوارح کی اصل ہے۔

حدیث نمبر ۲:

طہارت کے بغیر نماز اور غلول سے صدقہ قبول نہیں ہوتا:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ النَّبِيِّ صَلیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تُقْبَلُ صَلَاۃٌ بِغَیْرِ طُھُورٍ وَلَا صَدَقَۃٌ مِنْ غُلُولٍ۔

سنن الترمذی: (باب ماجاء لا تقبل صلاۃ بغیر طھور رقم الحدیث 1-1/273، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ”نماز بغیر وضو کے قبول نہیں کی جاتی اور نہ صدقہ حرام مال سے قبول کیا جاتا ہے‘۔

وضاحت:

علماء کرام نے کہا ہے کہ اس حدیث میں لا تقبل بمعنی لا تصح ہے۔

لفظ صلوٰۃ نکرہ ہے اور تحت النفی واقع ہے۔

لہذا اس کا مطلب و مفہوم یہ ہو گا کہ کوئی بھی نماز چاہے فرض ہو یا نفل ہو یا سنت ہو، سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ شکر۔ بغیر طہارت ادا نہیں ہونگے۔!!

لفظ طھور طہور بالماء والتراب دونوں کو شامل ہے۔

یعنی نماز کیلئے حدث اکبر و حدث اصغر دونوں سے پاک ہونا لازم ہے۔

جبکہ پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں یا پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہونے پر پر تیمم کرنا ادائیگی نماز کیلئے لازم ہے۔

دوسرے جزء کی وضاحت:

فقہی اصطلاح میں غلول مال غنیمت سے چوری شدہ مال کو کہا جاتا ہے

مگر پھر معنی میں وسعت پیدا ہوئی اور مطلقاً خیانت اور مال حرام پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ یعنی وہ صدقہ جو حرام مال (سود، جوا، چوری ڈکیتی، غصب یا دیگر حرام ذرائع سے حاصل مال) سے دیا گیا ہو وہ قبول نہیں ہو گا۔

حدیث نمبر۳:

نماز کی کنجی طہارت ہے، اس کا آغاز تکبیر سے ہوتا ہے اور اختتام سلام سے ہوتا ہے:

عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "مِفْتَاحُ الصَّلاَةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ".

سنن الترمذی (باب ماجاء ان مفتاح الصلوۃ الطھور رقم الحدیث 275/1-5 ، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نماز کی کنجی وضو ہے، اوراس کا تحریمہ صرف ”اَللّٰہُ اَکْبَرُ“ کہنا ہے اور نماز میں جو چیزیں حرام تھیں وہ **”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“** کہنے ہی سے حلال ہوتی ہیں

وضاحت:

حدیث میں وضو کو نماز کی کنجی کہا گیا ہے۔یعنی جس طرح کوئی کسی مقفل گھر میں تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر وضو کے نماز ممکن نہیں۔

نماز کیلئے (طہارت) پاکیزگی شرط ہے۔

نماز اللہ اکبر کہنے سے شروع ہوتی ہے اور باقی تمام منافی صلوٰۃ کام حرام ہو جاتے ہیں۔ کھانا پینا بولنا چلنا گھومنا وغیرہ اس لئے حدیث میں تکبیر کو تحریم کہا گیا ہے۔

اور نماز مکمل ہونے کے بعد دوبارہ یہ افعال حلال ہو جاتے ہیں۔ اس لیے لفظ سلام کو تحلیل کہا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۴:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات: زندگی کے ہر پہلو کے لیے جامع رہنمائی:

عَنْ عَبْدِ الرَّحمنِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ قِيلَ لِسَلْمَانَ قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صلى الله عليه وسلم كُلَّ شَىْءٍ حَتَّى الخِرَاءَةَ ؟ فقَالَ سلمان أَجَلْ، نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ ببَوْلٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ يسْتَنْجِيَ احدنا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلاثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ۔ سنن ترمذی :(باب الاستنجاء بالحجارة رقم الحديث 15-1/284،، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت عبدالرحمن بن یزید سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہے کہ ان سے کہا گیا (کہنے والے مشرکین تھے) کہ تمھارے نبی تمھیں ہر چیز سکھاتے ہیں، حتیٰ کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے (فخریہ) فرمایا: جی ہاں۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بول و براز کے وقت قبلہ رُخ ہونے سے روکا ہے، اسی طرح داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے، تین سے کم پتھروں کے استعمال کرنے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے سے بھی روکا ہے۔

وضاحت:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے چند مشرکین نے مذاق اور طنز کرتے ہوئے کہا: "قد علّمكمْ نَبِيّكُم ﷺ كل شيء حتى الخرَاءَة" تمہارے نبی عجیب آدمی ہیں، وہ تمہیں ہگنے کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں یعنی انھوں نے تم کو بے وقوف سمجھ رکھا ہے کہ معمولی معمولی باتیں بھی سکھاتے ہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے جواب دیا، ہاں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اس حدیث میں) استنجا کرنے کی ضروری باتوں کی تعلیم دی ہے جہاں تک تمہاری عقلوں کی رسائی نہیں ہے ، ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے بول وبراز کے وقت قبلہ رُخ ہونے سے منع فرمایا کہ قضاے حاجت کے وقت قبلے کی طرف رُخ بھی نہیں کرنا چاہیے اور پیٹھ بھی۔

اس لیے کہ یہ نماز وغیرہ میں مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ یہ سب سے محترم جہت ہے، اس کی عزت اور تکریم ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّه﴾ ”یہی حکم ہے اور جو اللہ کی معزز چیزوں کی تعظیم کرے گا سو یہ اس کے لیے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے۔“ (الحج:30).

داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ داہنا ہاتھ پاکیزہ، محترم اور اچھے کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔

جن کاموں میں ذلت اور توہین کا پہلو ہوتا ہے، جیسے پاخانہ صاف کرنا تو یہ بائیں ہاتھ کے کام ہیں۔ مسلم شریف کی روایت ہے: ”عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ، وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ».“

(حضرت ابو قتادہؓ سے روایت کی، ابو قتادہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی پیشاب کرتے وقت اپنا عضو خاص دائیں ہاتھ میں نہ پکڑے، نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے اور نہ (پانی پیتے وقت) برتن میں سانس لے)۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ بڑے استنجا(پاخانہ کی صفائی) میں کم از کم تین ڈھیلوں کا استعمال کیا کرو، تم لوگ ایک ڈھیلے پر اکتفا کرتے ہو، خواہ جگہ صاف ہو جائے، یا نہ ہو۔

نیز گوبر سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ یہ جنات کے جانوروں کی غذا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں صراحت ہے: کہ جنات کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے کھانے کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمھارے لیے ہر وہ ہڈی ہے، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ تمھارے ہاتھوں میں آجائے، اس پر پہلے سے زیادہ گوشت آجاتا ہے اور ہر مینگنی یا لید تمھارے جانوروں کا چارہ ہے“۔ ہڈیوں سے استنجا کرنا بھی شریعت میں ممنوع ہے؛ اس لیے کہ یہ جنات کی خوراک ہے۔ جیسے کہ گزشتہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”ان سے استنجانہ کیا کرو؛ کیونکہ یہ تمھارے جن بھائیوں کی خوراک ہے“۔ اس طرح، حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ ہڈیوں سے استنجانہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انھیں گندہ نہ کیا جائے؛ تاکہ انھیں بطور غذا استعمال کرنے والوں کو دشواری نہ ہو۔ کیوں کہ جب انھیں نجاست صاف کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا، تو ان کی غذا خراب ہو جائے گی۔

حدیث نمبر ۵:

بیت الخلاء کی دعا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا دَخَلَ الخلاءَ قَالَ: "اللَّهُمَّ إِنِي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الخبُثِ وَالخبَائِثِ". سنن ترمذی: (باب مایقول اذادخل الخلاء رقم الحدیث 5-1/288، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: **اللَّهُمَّ إِنِي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الخبُثِ وَالخبَائِثِ** "اے اللہ میں تیری پناہ چاہتاہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے"

وضاحت:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ جن کو نبی ﷺ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل تھا اس حدیث میں ہمارے لیے قضائے حاجت سے متعلق ایک نبوی ادب بیان کر رہے ہیں: کہ نبی ﷺ چونکہ اپنے رب سے بہت زیادہ محبت کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے اس لیے آپ ﷺ کسی بھی حال میں اللہ کا ذکر نہیں چھوڑتے تھے اور نہ ہی اس سے مدد مانگنا ترک کرتے۔ چنانچہ آپ ﷺ جب قضائے حاجت کی جگہ میں جاتے تو اللہ کی پناہ طلب کرتے اور اس کی حفاظت میں آتے ہوئے دعا فرماتے کہ وہ آپ ﷺ کو خبیث جنوں اور جنیوں کے شر سے بچائے کیونکہ وہ خبیث جنات ہر حال میں اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ مسلمان کے دین وعبادت میں بگاڑ پیدا کر دیں 'الخبث و الخبائث' کے الفاظ کی وضاحت کتب میں شر اور نجاستوں سے بھی کی گئی ہے۔ پناہ مانگنے کا سبب یہ ہے کہ بیت الخلاء جسے بعض لوگ حمامات اور دورات المیاہ کا نام بھی دیتے ہیں، یہ شیاطین کی آماجگاہیں ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: قضائے حاجت کی ان جگہوں پر شیاطین ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب تم میں سے کوئی ان میں داخل ہو تو وہ یوں کہے: اے اللہ میں خبیث جنوں اور جنیوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

حدیث نمبر ٦:

بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد کی دعا:

عَنْ عَائِشَةَ رَضيِ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَرَجَ مِنْ الخَلاَءِ قَالَ: "غُفْرَانَكَ". سنن الترمذي: (باب ما يقول إذا خرج من الخلاء رقم الحديث: 6-1/278، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے بعد جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے: «غُفْرَانَكَ» یعنی "اے اللہ: میں تیری بخشش کا طلب گار ہوں

وضاحت:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ نبی ﷺ جب قضائے حاجت کی جگہ سے باہر تشریف لاتے تو آپ ﷺ فرماتے: "غُفْرَانَكَ" یعنی آپ ﷺ اللہ سے مغفرت طلب کرتے؛ اس لیے کہ جسمانی گندگی سے پاکی حاصل کرنے کے ساتھ روحانی پاکی بھی مطلوب ہو جائے، نیز چونکہ بیت الخلاء میں اللہ کا ذکر نہیں کر سکتے تو وہ وقت ذکر اللہ سے خالی گزرا اس لیے اللہ سے بخشش طلب فرماتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ نبی ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے انہیں تین پتھر لانے کا حکم دیا۔ انہیں دو پتھر تو مل گئے لیکن تیسرا نہ ملا۔ اس پر انہوں نے چوپائے کے خشک گوبر کو اٹھالیا اور یہ سوچ کر آپ ﷺ کے پاس آ گئے کہ پتھر کی بجائے اس سے کام چل جائے گا۔ نبی ﷺ نے دو پتھر لے لیے، ان سے طہارت حاصل کی، گوبر کو پھینک دیا اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ناپاک ہے اور اس سے پاخانے کی جگہ کو صاف کرنا درست نہیں ہے۔ یہ حکم ہر قسم کے گوبر کے بارے میں ہے۔ کیونکہ اگر گوبر ان جانوروں کا ہو، جن کا گوشت کھانا جائز نہیں، جیسا کہ اس حدیث میں ہے، تو یہ ناپاک ہے اور اگر ان جانوروں کا ہو، جن کا گوشت حلال ہے تو بھی نجاست خفیفہ یعنی ناپاک ہے، نیز یہ جنات کے چوپایوں کی خوراک بھی ہے اس لئے اس سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث نمبر ۷:

مشکلات میں وضو اور مسجد میں انتظار کرنے کی فضیلت:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذَلِكُمُ الرِّبَاطُ۔ سنن ترمذی:(باب فی اسباغ الوضوء رقم الحدیث 51-1/307، ط:دار التاصیل)

ترجمہ:

.ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایسی چیزیں نہ بتاؤں جن سے اللہ گناہوں کو مٹاتا اور درجات کو بلند کرتا ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں، آپ ضرور بتائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ناگواری کے باوجود مکمل وضو کرنا اور مسجدوں کی طرف زیادہ چل کر جانا اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا، یہی سرحد کی حقیقی پاسبانی ہے“۔

وضاحت:

بعض دفعہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سامنے ایک بات پیش کرتے اور آپ ﷺ کو علم ہوتا تھا کہ وہ اس کا کیا جواب دیں گے۔ یہ آپ ﷺ کا تعلیم و تربیت کے حوالے سے بہترین طریقہ کار تھا کہ آپ ﷺ بعض دفعہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی بات سوال جواب کے طور پر پیش کرتے۔ اس طریقہ کار سے لوگ متوجہ بھی ہو جاتے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طرف سے جواب کیا آئے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالی گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے کہا کیوں نہیں اللہ کے رسول ﷺ؟ یعنی آپ ہمیں بتائیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیں ایسی چیز کے متعلق بتائیں کہ جس سے ہمارے درجات کی بلند ہو اور ہم اپنے گناہوں کو مٹا سکیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اول: مشقت کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا جیسا کہ سردی کے دنوں میں ہوتا ہے۔ کیوں کہ سردیوں میں پانی شدید ٹھنڈا ہوتا ہے اور وضو کرنے میں بڑی مشقت ہوتی ہے۔ تو یہ (اچھی طرح وضو کرنا) کمالِ ایمان کی علامت ہے جس سے اللہ تعالیٰ بندے کے درجات بلند کرتا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

دوسرا: انسان کا مسجدوں کی طرف قصد کرنا، اس کے وجہ سے مسجد میں آنا مشروع کیا گیا ہے۔ اور یہ پنجوقتہ نمازوں کے لیے، مسجد کی دوری کے باوجود مسجد میں جماعت کے نماز کے لئے آنا ہے۔

تیسرا: ایک نماز سے فارغ ہو کر بندے کا دوسری نماز (کی ادائیگی) کا شوق رکھنا اور دوسری نماز کے لیے دل معلق رہے اور نماز کا انتظار کرے۔ یہ چیز مسلمان بندے کے ایمان، محبت اور نماز جیسی عظیم عبادت کے شوق کی دلیل ہے۔ اگر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند فرماتا ہے اور اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ طہارت، نماز اور عبادت کا اہتمام کرنا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کے راستے (جہاد) میں سرحد کی پہرہ داری کرنا۔ ناگواری کے باوجود مکمل وضو کرنے کا مطلب یہ ہیکہ سخت سردی میں اعضاء کا مکمل طور پر دھونا، یہ طبیعت پر نہایت گراں گزرتا ہے اس کے باوجود مسلمان محض اللہ کی رضا کے لیے ایسا کرتا ہے اس لیے اس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ مسجد کا قریب ہونا بعض اعتبار سے مفید ہے لیکن گھر کا مسجد سے دور ہونا اس لحاظ سے بہتر ہے کہ جتنے قدم مسجد کی طرف اٹھیں گے اتنا ہی اجر و نیکیاں زیادہ ملے گا۔ یعنی یہ تینوں اعمال اجر و ثواب میں سرحدوں کی پہرداری اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی طرح ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح سرحدوں کی پہرداری کے سبب دشمن ملک کے اندر داخل نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح ان اعمال کی پابندی سے شیطان نفس پر غالب نہیں اتا۔

حدیث نمبر ۸:

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں:

عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ صحیح مسلم: (کتاب الصلاۃ، رقم الحدیث: 711، 712-450/2، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابو اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا، رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو کہے: (اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ) اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے نکلے تو کہے (اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ) اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔

وضاحت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونا چاہتا ہے (یہ صرف ایک مخصوص مسجد تک محدود نہیں ہے، بلکہ تمام مساجد میں حتیٰ کہ مسجد حرام میں بھی داخل ہو) تو اسے چاہیے کہ یہ دعا پڑھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھے، اس دعا میں رحمت طلب کی جاتی ہے کہ: اے خدا، میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، یعنی اگر وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو ان عبادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے جو مسجد میں فرض کی گئی تھیں، پھر وہ خدا سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، یعنی: اپنے کرم و فضل اور خاص مہربانی کا در کھول کر اپنی آغوش رحمت میں لے لے۔ اور اگر کوئی شخص مسجد سے نکل کر اپنے گھر یا اپنے کام پر جانا چاہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھتا ہے اور کہتا ہے: اے اللہ میری حفاظت فرما، یعنی: مجھے شیطان مردود کے شر سے اور اس کے فتنے اور وسوسوں سے بچا۔ المستدرک للحاکم میں ہے: اگر تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور کہے: اے اللہ مجھے شیطان مردود سے بچا۔ اور مذکورہ روایت میں فرماتے ہیں: اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ کیونکہ مسجد سے باہر نکلتے وقت یہی کہنا مناسب ہے۔

حدیث نمبر ۹:

ایمان، احسان اور قیامت کی علامات: حدیث جبریل کی تشریح:

عُمَرَ بْنِ الخطَّابِ، قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم فأسند رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ على فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فقَالَ رسول الله ﷺ: الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ، إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ". قَالَ: صَدَقْتَ. فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ. قَالَ: «أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ». قَالَ صَدَقْتَ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: «أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ». قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: «مَا المسؤول بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ». قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا. قَالَ:

«أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الحفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ». قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي: «يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ»؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يعلمكم دينكُمْ».

صحیح مسلم:(باب بیان الایمان،والاسلام،ولاحسان۔۔۔الخ رقم الحدیث8 ص48-49 ،ط:دار البیان العربی)

ترجمہ:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک ایسا شخص اچانک ہمارے سامنے نمودار ہوا۔ جس کے کپڑے بہت سفید تھے اور بال بہت کالے تھے۔ اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی دیتا تھا نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا حتیٰ کہ وہ آکر نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیے، اور اپنے ہاتھ آپ ﷺ کی رانوں پر رکھ دیے، اور کہا: اے محمد (ﷺ)! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، نماز کا اہتمام کرو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر سفر حج کی استطاعت ہو تو حج کرو۔“ اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ وہ آپ سے پوچھتا ہے اور (خود ہی) آپ کی تصدیق کرتا ہے۔ اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت (یوم قیامت) پر ایمان رکھو اور اچھی اور بری تقدیر پر بھی ایمان لاؤ۔“ اس نے کہا: آپ نے درست فرمایا۔ (پھر) اس نے کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ اس نے کہا: تو مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس سے اس (قیامت) کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔“ اس نے کہا: تو مجھے اس کی علامات (نشانیاں) بتا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(علامات یہ ہیں کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے اور یہ کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج، بکریاں چرانے والوں کو دیکھو کہ وہ اونچی سے اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرینگے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر وہ سائل چلا گیا، میں کچھ دیر اسی عالم میں رہا، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: ”اے عمر! تمہیں معلوم ہے کہ پوچھنے والا کون تھا؟“ میں

نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تمہارے پاس آئے تھے، تمہیں تمہارا دین سکھا رہے تھے۔

وضاحت:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ جبریل علیہ السلام صحابۂ کرام کی موجودگی میں ایک غیر معروف آدمی کی شکل میں نمودار ہوئے۔ وہ نبی ﷺ کے سامنے متعلم وشاگرد کی طرح بیٹھے۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب ان ارکان کے ذریعے دیا، جو شہادتین کے اقرار، پنج وقتہ نمازوں کی حفاظت، مستحقین کے لیے ادائے زکاۃ، سچی نیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنے اور استطاعت والوں کے حق میں فریضۂ حج کی ادائیگی پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا کہ ان کا سوال کرنا عدمِ معرفت کی دلیل ہے اور پھر وہ اس کی تصدیق بھی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ایمان کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب ان چھے ارکان کے ذریعے دیا، جو ان امور پر مشتمل ہے کہ اللہ ہی خالق وروزی رساں ہے، صفت کمال

سے متصف اور نقص سے پاک ہے، فرشتے جنھیں اللہ نے پیدا کیا ہے، عبادت گزار بندے ہیں، اللہ کی معصیت نہیں کرتے اور اس کے حکم کی بجا آوری میں لگے رہتے ہیں، اللہ کی جانب سے رسولوں پر اتاری گئی کتابوں پر ایمان، اللہ کے دین کی نشر واشاعت کرنے والے رسولوں پر ایمان اور اس بات پر ایمان کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اس کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ پھر انھوں نے احسان کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اس طرح کرے، گویا وہ اسے کو دیکھ رہا ہے۔ اگر اتنا نہ ہو سکے، تو بندہ اللہ کی عبادت اس خوف سے کرے کہ اللہ اس کی تمام پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ پھر آپ ﷺ نے قیامت کے بارے میں فرمایا کہ مخلوق میں سے کوئی اس (کے آنے کے وقت) سے واقف نہیں ہے۔ قیامت کی علامتوں کے بارے میں فرمایا کہ لونڈیوں اور ان کی اولاد کی کثرت یا اولاد کا بکثرت اپنی ماؤں کی نافرمانی کرنا ہے کہ وہ ان کے ساتھ لونڈیوں کا سا معاملہ کرنے لگیں۔ چرواہوں و مفلسوں کو آخر وقت میں دنیاوی بسط وکشادگی حاصل ہوگی اور وہ عمارتوں کی بلندی و مضبوطی پر فخر کریں گے۔ یہ تمام سوال وجواب جبریل علیہ السلام کے ذریعے دینِ حنیف کی تعلیم کے لیے تھا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جبریل (علیہ السلام) تھے، جو تمھیں تمھارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے"۔ اللہ کے نبی ﷺ کے اچھے اخلاق کا بیان اور یہ کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھتے تھے اور وہ بھی آپ کے پاس بیٹھتے تھے۔ آپ ﷺ ان سے نہ الگ تھلگ رہتے اور نہ خود کو ان پر فوقیت دیتے

تھے۔ فضل و شرف والے لوگوں کے پاس جاتے وقت اچھے کپڑے، اچھی شکل و صورت اور صفائی و ستھرائی کا اہتمام کرنا چاہیے، کیوں کہ جبریل علیہ السلام اپنی حالت اور بات چیت دونوں سے لوگوں کو تعلیم دینے آئے تھے۔ فرشتے اپنی اصلی صورت کے علاوہ دوسری صورتیں بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ سائل کے ساتھ نرمی کرنا اور اسے قریب کرنا، تاکہ بغیر کسی خوف اور جھجھک کے سوال کر سکے۔ استاد کے ساتھ ادب کا معاملہ کرنا کہ جبریل علیہ السلام اللہ کے نبی ﷺ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کے سامنے ادب سے بیٹھ گئے۔ توریہ (ایسا لفظ جو قریب و بعید دو معنوں پر مشتمل ہو لیکن اس کا بعید معنیٰ مقصود ہو) کا جائز ہونا، جیسا کہ (جبریل) کا (یا محمدؐ) کہنا، کیوں کہ یہ جملہ (دراصل) دیہاتیوں کا جملہ ہے۔ جبریل نے یہاں اسے بطور توریہ استعمال کیا۔ گویا کہ وہ ایک دیہاتی شخص ہیں، ورنہ شہر کے بہترین اخلاق سے متصف لوگ رسول ﷺ کو اس طرح کے الفاظ سے نہیں پکارا کرتے تھے۔

اس حدیث میں: اسلام، ایمان اور احسان کے درمیان فرق کا بیان ہے۔

اسی طرح درج ذیل باتوں کا اس حدیث میں بیان ہے کہ:

ایمان کے چھ ارکان پر ایمان، غیب پر ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام کے پانچ اور ایمان کے چھ ارکان ہیں۔

اسلام اور ایمان کے جمع ہونے پر اسلام کی تفسیر ظاہری امور سے ہوتی ہے اور ایمان کی تفسیر باطنی امور سے۔احسان کے درجہ کے بلند ہونے کا بیان ۔سائل کے سلسلے میں اصل عدم علم ہے اور جہالت سوال کرنے کا باعث ہے۔پہلے سب سے اہم اور پھر اس سے کم اہم چیز سے ابتدا کرنا، کیوں کہ اسلام کی تفسیر میں شہادتین سے ابتدا کی گئی ہے اور ایمان کی تفسیر میں ایمان باللہ سے کی گئی ہے۔

عالم سے اس چیز کے بارے میں سوال کرنا، جسے سائل جانتا ہو، تاکہ سامع اس کو جان سکے۔جس سے کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اس سے واقف نہ ہو، تو اس کا اس کے بارے میں 'اللہ اعلم' کہنا۔

قیامت کا علم ان چیزوں میں سے ہے، جن کا علم اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے۔

حدیث نمبر ۱۰:

پانچ ستون جن پر اسلام قائم ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔رضی الله عنهما قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم :" بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ :شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ صحيح البخاری :(باب دعاؤکم ایمانکم رقم الحدیث 8-1/195 ، ط : دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور

محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں، نماز کی پابندی، زکوۃ کی ادائیگی، حج اور رمضان کے روزے رکھنا۔

وضاحت:

عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے"۔یعنی اسلام کی مثال ایک عمارت کی سی ہے اور یہ پانچ چیزیں اس عمارت کے ستونوں کے درجے میں ہیں، جن پر وہ عمارت کھڑی ہے۔

اوّل: **لاالہ الا اللہ** کی گواہی دینا۔یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں ہے۔یہی کلمہ توحید ہے۔اس کے بغیر کسی شخص کا اسلام درست نہیں ہو سکتا۔اس جملے کو بولنا، اس کے معنی کو سمجھنا اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔اس کے بعد اس

بات کی گواہی دینا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس گواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے پاس صحیح سند سے آنے والی آپ کی تمام باتوں کی تصدیق کی جائے، آپ کے اوامر کو بجا لایا جائے، آپ کی منع کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کیا جائے اور آپ کے مشروع کردہ طریقے کے مطابق اللہ کی عبادت کی جائے۔

دوم: نماز قائم کرنا۔ یہ دونوں گواہیوں کے بعد اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ رات و دن میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان مضبوط تعلق کی بنیاد ہے۔ نماز قائم کرنے سے مراد اسے درست طریقے پر ادا کرنا ہے۔

سوم: زکاۃ دینا۔ زکاۃ ایسی مالی عبادت ہے، جو سال کے مکمل ہونے یا پھل کے نکلنے اور اس کے پکنے پر سال میں ایک بار واجب ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ متعدی ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ حج اور روزے سے پہلے اور نماز کے بعد آئی ہے۔

چہارم : اللہ کے مقدس گھر کا حج کرنا۔ یہ ایک جسمانی عبادت ہے۔ کیوں کہ اسے انسان خود انجام دیتا ہے۔ اس میں اس شخص کی طرف سے نیابت بھی کافی ہوتی ہے، جس کی طرف سے نیابت جائز ہے۔ یہ مالی عبادت بھی ہے۔ کیوں کہ اس میں مال اور زاد راہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

پنجم : رمضان کے روزے رکھنا۔ روزہ ایسی بدنی عبادت ہے، جو متعدی نہیں ہے۔ روزہ نام ہے نیت کے ساتھ کچھ متعینہ چیزوں کو چھوڑنے کا۔ روزہ سال میں ایک مرتبہ یعنی ماہ رمضان میں لازم ہوتا ہے۔ سب سے اول توحید ورسالت کی گواہی دینا ہے اس کے بغیر باقی کسی رکن کا کوئ فائدہ نہیں۔ گفتگو کے آغاز میں عدد کا ذکر کرنا نبی ﷺ کا طریقہ تھا۔ تا کہ یہ امور ہر ہر سامع بغور یاد کرلے۔ اور سننے والا مکمل متوجہ ہوجائے۔ توحید کی شہادت کے ساتھ ساتھ رسالت کی گواہی دینا بھی ضروری ہے۔ کسی ایک کا انکار بھی دوسرے کے اقرار وشھادت کو بے اثر وناقابل قبول کردے گا۔ توحید ورسالت پر ایمان یہ لازمی و قطعی امر ہے یہی بنیاد ہے امت محمدیہ کا فرد بننے کی۔ عقیدہ توحید و رسالت کے اقرار کے بغیر کوئ بھی اچھا عمل قابل قبول نہیں اور ناروز آخرت میں فائدہ مند ہوگا۔ دونوں شہادتیں پورے دین اور تمام ظاہری و باطنی اعمال کو شامل ہیں۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو عمل جتنا اہم ہوگا، اسے اسی قدر پہلے کیا جائے گا۔ اس حدیث مبارکہ میں دین کے اساسی و بنیادی اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ پانچوں فرائض فرض عین ہیں۔ ہر مسلمان کیلئے ان پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔

حدیث نمبر ۱۱:

موت کے بعد جاری رہنے والے اعمال: صدقہ جاریہ، علم نافع اور صالح اولاد:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ سنن الترمذی :(باب ماجاء فی الوقف، رقم الحدیث 1439-2/464، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (وہ منقطع نہیں ہوتے): صدقہ جاریہ اور ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو اور نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرے

وضاحت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کے بارے میں بتایا جو اس کے مالک کو اس کے مرنے کے بعد فائدہ پہنچاتی ہیں، جیسا کہ میت کے اعمال نیکیوں میں اضافے کے لحاظ سے بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین اعمال کے

پہلا: صدقہ جاریہ، جس کا اجر چلتا ہے اور چلتا رہتا ہے، جیسے وقف، اور جو اس کا سرپرست یا دوست اس کے طرز عمل کو برقرار رکھتا ہے۔

دوم: فائدہ مند علم جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، جیسے کسی شخص کو دینی علم سکھانا کہ وہ شخص اس علم کو اس کی موت کے بعد آگے پھیلاتا رہے، یا کوئی کتاب لکھ دے۔ تاکہ اس کی موت کے بعد بھی لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں، یا ایسا نیک اور فلاحی طریقہ چھوڑ جائے کہ موت کے بعد بھی خلق خدا فائدہ اٹھاتی رہے اور اس کیلئے دعا گو رہے۔

سوم: نیک اولاد جو والدین کیلئے دعا (ایصال ثواب) کرتی رہے تو میت کو فائدہ ہو گا۔ پس مرنے والے کے اعمال میں اس کی موت سے خلل پڑتا ہے، لیکن یہ چیزیں ایسی ہیں کہ وہ ان کا سبب تھا لہٰذا ان کا ثواب بھی مستقل اسے پہنچتا رہے گا، اس کا اجر اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک یہ عمل یہ سلسلہ باقی ہے اور بعض علماء نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا اجر باقی رہ جاتا ہے اس میں وہ صدقہ بھی شامل ہے جو جاری رہے جیسے مسجد بنانا اور کنواں کھودنا۔

حدیث نمبر ۱۲:

حرام چیزوں سے بچنے کی تلقین:

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ رَأَيْتُ أَبِي اشْتَرى عَبْدًا حَجَّامًا فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلىَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَثَمَنِ الدَّمِ وَنَهَى عَنْ الْوَاشِمَةِ وَالْمَوْشُومَةِ وَآكِلِ الرِّبَا وَمُوكِلِهِ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرِ.صحيح البخارى :(باب موكل الربا رقم الحديث 2094-3/174 ، ط: دار التاصيل

ترجمہ:

عون بن ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں: کہ میرے والد نے ایک غلام خریدا جو سنگی لگانے کا پیشہ کرتا تھا۔(میرے والد نے غلام کے سنگی کے آلات توڑ دیے)۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور خون کی

قیمت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے، گودنے اور گودوانے (جسم پر ٹیٹو بنانے اور بنوانے) اور سود لینے اور دینے سے منع فرمایا ہے، اور تصویر بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

وضاحت:

(1)اس حدیث میں سود کھانے اور کھلانے سے منع کیا ہے ایسی طرح دوسری حدیث میں سود کی حرمت' نیز سود لینے والے' دینے والے' تحریر کرنے والے اور اس پر گواہیاں ثبت کرنے والے پر لعنت کا ذکر ہے۔

(2)سود نص قرآنی سے حرام ہے' اس سے باز نہ آنے والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

(3) یہ ایسی لعنت ہے جس میں اکثر لوگ گرفتار اور مبتلا ہیں۔ ہر مسلمان کو اس لعنت سے چھٹکارے کی صدق دل سے کوشش کرنی چاہیے۔ اور اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ہمیں

ناپاک اور نجس کمائی کے متعلق آگاہ فرمایا: تاکہ ہم انہیں چھوڑ کر پاکیزہ ذرائع اختیار کریں۔ خبیث ذرائع آمدنی میں سے کتے کی قیمت، فاحشہ کے زنا کی کمائی ہے۔ البتہ فقہاءِ احناف رحمہم اللہ نے شکار وغیرہ کے لیے کتے کی تجارت سے متعلق یہ صراحت فرمائی ہے: کہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے جب کہ وہ کتا معلم ہو (سدھایا ہوا ہو) یعنی شکاری ہو یا حفاظت کے لیے ہو، لیکن اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے: کہ حدیث شریف میں تو ذکر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی ثمن سے منع فرمایا ہے تو کیسے اس کی بیع جائز ہو گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداءِ اسلام کی بات ہے جب کتے سے کسی طرح انتفاع جائز نہیں تھا، پھر جب کتے سے انتفاع کو جائز قرار دیا گیا تو ان خاص صورتوں میں اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہو گئی۔ اور پچھنے لگانے والے کی اجرت لینا شرعاً جائز تو ہے، لیکن بہتر نہیں ہے، حدیث شریف میں پچھنے لگانے والے کی اجرت کو خبیث کہا گیا ہے، اس کو فقہاء نے ناپسندیدہ کے معنی میں لیا ہے، یعنی لینا جائز تو ہے، لیکن پسندیدہ نہیں؛ کیوں کہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ نے سینگی کھنچوانے کی اجرت ادا کی ہے، اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپ ﷺ خود ادا نہ فرماتے؛ لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ سینگی کھینچنے والے کو اپنی اجرت کے طور پر جو مال ملتا ہے، وہ ناپسندیدہ ہے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عورت کا اپنے جسم پر زیب وزینت وخوبصورتی کے لیے گودنا گدوانا حرام ہے اور یہ سارے اعمال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں؛ کیوں کہ اس میں دھوکہ اور یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، نیز

گودنے میں اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلنا پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ (یہودی) سب سے پہلے جوڑ لگانے والے ہیں۔ اسی بنا پر ان امور کے ارتکاب کرنے والے یعنی فاعل اور مفعول (جوڑنے والی اور جوڑوانے والی) دونوں لعنت میں شامل ہیں۔ اس حدیث میں جاندار کی تصویر بنانے والے پر لعنت کی گئی ہے اور دوسری حدیث میں مصور یعنی تصویر بنانے والے پر قیامت کے دن سخت عذاب کا ذکر ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو اللہ تعالی کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں“۔

نبی ﷺ ہمیں خبر دے رہے ہیں جو در حقیقت منع کرنے اور ڈانٹنے کے معنی میں ہے کہ ذی روح (جاندار) اشیاء کی تصویر بنانے والے لوگ، جن کی تصویر کشی میں اللہ تعالی کی تخلیق سے مشابہت پائی جاتی ہے قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب دیے جانے والے اور سب سے سخت سزا پانے والے ہوں گے، اس لیے کہ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالی کی بے ادبی کرنے والے ہیں اور اس کی حرام کردہ اشیاء کے مرتکب ہونے کی جرءت کرنے والے ہیں۔

چنانچہ پورا پورا بدلہ دیے جانے کے اعتبار سے یہ لوگ مذکورہ عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

حدیث نمبر ۱۳:

حلال اور حرام میں فرق نہ کرنے کا زمانہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ صحیح البخاری: (باب من لم یبال من حیث کسب المال، رقم الحدیث 2068-3/160، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں پر ایک ایسا وقت آئے گا جب انسان اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ جو کچھ اسے حاصل ہوتا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

وضاحت:

اسلام نے حرام کمائی کو حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے مالک کے لیے بد بختی اور آفت ہے، اس کی وجہ سے دل سخت ہو جاتا ہے، ایمان کا نور بجھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور دعا کی قبولیت سے محرومی ہو جاتی ہے۔ بے حیائی اور خودغرضی عام ہونے لگتی ہے۔ چوری، غصب، رشوت اور سود، دھوکہ دہی اور ناپ تول میں کمی، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، لوگوں کا مال ناحق ہڑپ کرنا وغیرہ جیسی معاشرتی برائیاں پھیلنے لگتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ہمیں بتایا کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ کمائی کے معاملے میں غفلت برتیں گے، اس لیے کہ وہ اپنی کمائی کی چھان بین یا تحقیق نہیں کریں گے۔

حرام کمائی کے درج ذیل نقصانات ہیں:

اطاعت سے دل اکتا جانا اور جسمانی اعضاء کا نیک کاموں میں سست ہونا۔ رزق اور زندگی سے برکت اٹھ جانا۔ اللہ تعالی کے غضب اور جہنم کے عذاب کا مستحق ہونا۔ دعا کا قبول نہ ہونا۔ نیک عمل کا قبول نہ ہونا۔

حدیث نمبر ۱۴:

رشتہ داری نبھانے سے رزق میں وسعت اور عمر میں اضافہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔ صحیح البخاری: (باب من احب البسط فی الرزق رقم الحدیث 2075-3/164، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”جو اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کر دی جائے، اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کیا کرے“۔

وضاحت:

اس حدیث میں صلہ رحمی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوش نودی کے حصول کے ساتھ ساتھ اس کے بعض دیگر فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے؛ کیوں کہ یہ عمل دنیوی منفعتوں کے حصول کا بھی سبب ہے، اس سے بندے کو اس کے پسندیدہ امور حاصل ہوتے ہیں؛ اس کی روزی میں فراخی وکشادگی پیدا ہوتی ہے اور اس کی عمر دراز کر دی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک بظاہر یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے متعارض ہے: ﴿وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾ "اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا" اس کا جواب یہ ہے کہ موت کا وقت، اس کے تمام اسباب کے ساتھ متعین ومقرر ہے، اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ اگر فلاں شخص صلہ رحمی کرے، تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی اور اگر قطع رحمی کرے، تو چالیس سال۔ اب اگر وہ صلہ رحمی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی اس عمر میں اضافہ فرمائے گا، جو اس کے لیے صلہ رحمی نہ کرنے کی صورت میں مقرر کی گئی ہے۔

اوراس حدیث سے درجذیل باتوں کی رہنمائی ملتی ہے:

(1)صلہ رحمی کی ترغیب۔

(2) صلہ رحمی کو اللہ تعالیٰ نے صلہ کرنے والے کی روزی میں کشادگی اور درازی عمر کا ایک مضبوط سبب قرار دیا ہے۔

(3)انسان کو بدلہ اسی جنس کا دیا جاتا ہے، جس جنس کا اس کا عمل ہوتا ہے۔لہذا جو اپنے رشتے داروں کے ساتھ بھلائی اور احسان پر مبنی برتاؤ کرے گا، اللہ اس کی عمر دراز کر دے گا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا۔

(4)اسباب کا اثبات، کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سبب یعنی صلہ رحمی اور مسبّب یعنی درازی عمر اور روزی میں کشادگی کو ثابت کیا ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵:

والدین کی خدمت کی اہمیت:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ» قِيلَ: مَنْ؟ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ، أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا، ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ»۔ صحیح مسلم: (کتاب البر والصلة وتحریم الظلم رقم الحدیث 2633/1-416/6، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو کہا گیا کون یارسول اللہ ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کی جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا، ان میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو، اور پھر بھی (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو سکا۔

وضاحت:

والدین کا حق بہت عظیم ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حق کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے اس نے جن وانس کی تخلیق کی ہے، (ارشاد فرمایا): ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ "اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ قول و عمل میں نیکی اور حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے اور انہیں اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔ کیونکہ والدین نے ان کی دیکھ بھال اور تربیت کی ہے اور ان کے آرام وراحت کی خاطر راتوں کی نیند خراب کی ہے۔ بھلا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے؟ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ: نبی ﷺ نے اس شخص کے لیے تین دفعہ بد دعا فرمائی ہے جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا لیکن ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک، نیز بھلی باتوں میں ان کی فرماں برداری نہ کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہو سکا۔ چناں چہ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک جہنم میں داخل ہونے سے بچانے والے اسباب میں سے ہے اور ان کی نافرمانی اور ان کے ساتھ بدسلوکی دخولِ جہنم کے اسباب میں سے ہے، اگر اللہ کی رحمت اس کے شامل حال نہ ہوئی۔

حدیث نمبر ١٦:

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا:

عَنْ محمد بن جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عن ابیه عن النبي ﷺ قَالَ :{ لَا يَدْخُلُ اَلْجنَّةَ قَاطِعٌ } يَعْنِي:قال سفیان یعنی قَاطِعَ رَحِمٍ. (کتاب البر والصلة وتحریم الظلم رقم الحدیث 2637-6/420، ط:دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

وضاحت:

یہ حدیث قطع رحمی کے حرام ہونے اور اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ حدیث میں جس دخول کی نفی کی گئی ہے وہ ایسا دخول ہے جس سے پہلے عذاب نہ ہو۔ اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جنت میں داخلہ بالکل ہی نہیں ہو گا۔ کیوں کہ قطع رحمی کرنے والا کافر نہیں ہوتا کہ اس پر جنت حرام ہو جائے، بلکہ اگر وہ موحد ہے تو وہ آخرکار جنت میں داخل ہو گا۔ تاہم جانے سے پہلے اسے اپنے گناہ کے بقدر عذاب بھگتنا ہو گا۔ اس حدیث میں قطع رحمی کی سنگینی اور اس کے نقصانات کا بیان ہوا اور قطع رحمی بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔

حدیث نمبر ۱۷:

سات کام جن کا حکم دیا گیا اور سات کام جن سے منع کیا گیا:

عَنْ الْبراءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الجنَائِزِ وَعِيَادَةِ المرِيضِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَنَصرِ المظْلُومِ وَإِبْرَارِ الْقَسَمِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَنَهَانَا عَنْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَخَاتَمِ الذَّهَبِ وَالحرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْقَسِيِّ وَالْإِسْتَبْرَقِ۔ صحيح البخارى :(باب الامر باتباع الجنائز، رقم الحديث:1248-2/216، ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا تھا اور سات چیزوں سے منع فرمایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمیں بیمار کی عیادت کرنے، جنازے کے پیچھے چلنے، چھینکنے والے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنے، قسم (یا قسم کھانے والے کی قسم) کو پورا کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام پھیلانے کا حکم فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے کی انگوٹھیوں سے -یا سونے کی انگوٹھیاں پہننے سے-، چاندی کے برتن میں پینے سے، 'میثر' (کجاوے کے اوپر کے ریشمی گدے) اور 'قسی' (قس نامی مصری بستی کی طرف منسوب ریشمی کپڑے) کے استعمال کرنے سے اور ریشم، 'استبرق' (دیباج سے زیادہ دبیز اور موٹا ریشمی کپڑا) اور 'دیباج' (باریک ریشمی کپڑا) پہننے سے منع فرمایا تھا۔

وضاحت:

نبی کریم ﷺ کو دنیا میں اس مقصد سے مبعوث کیا گیا کہ آپ اعلی اخلاق کی تکمیل فرمادیں؛ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ ہر طرح کے اعلی و عظیم اخلاق و اعمال کی ترغیب فرماتے اور ہر قبیح و ناشائستہ اخلاق و اعمال سے منع فرمایا کرتے۔ آپ ﷺ کے انہی اوامر میں سے کچھ اشیا کا ذکر اس حدیث میں ہے:

ان میں سے پہلا یہ ہے کہ مریض کی عیادت کی جائے۔ جو درحقیقت ایک اسلامی حق کی ادائیگی، اور اس کے حق میں دعا سے عبارت ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلا جائے؛ کیوں کہ یہ جنازے کے پیچھے چلنے والے کے لیے اجرو ثواب، میت کے حق میں دعا، نصیحت اور عبرت وغیرہ پر مشتمل ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ چھینکنے والے کے "الحمدللہ" کہنے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہا جائے۔

چوتھا یہ ہیکہ قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنا! یعنی کوئ قسم دیکر کسی کام کا کہے تو اس کی قسم پوری کردو؛ تاکہ وہ قسم کا کفارہ ادا کرنے پر مجبور نہ ہوجائے۔ اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس کی دل جمعی کا سامان کردو۔

پانچواں یہ ہے کہ مظلوم کی ظالم کے خلاف مدد کی جائے؛ کیوں کہ اس عمل میں ظلم کا تدارک، جیسے امور شامل ہیں۔

چھٹا امر ہے دعوت دینے والے کی دعوت پر لبیک کہنا؛ کیوں کہ دعوت قبول کرنا دراصل دلوں میں قربت پیدا کرنے اور شکوک وشبہات سے پاک رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس سے باز رہنے کی صورت میں احساس بے گانگی اور باہمی نفرت انگیزیاں پروان چڑھتی ہیں۔

دعوت اگر شادی کی ہو، تو اس کا قبول کرنا سنت ہے بشرطیکہ دعوت میں کسی قسم کے منکرات کا ارتکاب نا ہو اور دیگر دعوتوں کا قبول کرنا مستحب ہے۔

ساتواں امر یہ ہے کہ سلام کو عام کیا جائے۔ یہ دراصل مسلمانوں کی ایک دوسرے کے حق میں سلامتی کی دعا اور محبت ویگانگت پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اس حدیث میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ مرد حضرات سونے کی انگوٹھیاں نہ پہنیں؛ کیوں کہ اس سے نسوانیت وزنانہ پن کی طرف میلان اور مردانگی کی نفی ہوتی ہے۔

دوسری یہ ہے کہ چاندی کے برتن میں نہ پیا جائے؛ کیوں کہ اس میں مال کی تباہی اور تکبر کا اظہار ہے اور جب ان برتنوں میں پینے سے روک دیا گیا، جو انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے، تو مابقی دیگر تمام استعمالات میں یہ ممانعت اور حرمت بدرجۂ اولی ثابت ہوتی ہے۔

تیسری یہ ہے کہ میاثر (زین یا کجاوہ کے اوپر ریشم کا گدا)، قسی (مصر کے قس نامی ایک دیہات سے منسوب اوراطراف مصر میں تیار کیا جانے والا ایک کپڑا، جس میں ریشم کے دھاگے بھی استعمال ہوتے تھے)، حریر (ریشمی لباس)، دیباج (باریک ریشمی کپڑا) اور استبرق (دیباج سے زیادہ دبیز اور موٹا ریشمی کپڑا) جیسے ریشمی لباس کی تمام انواع کو مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا؛ کیوں کہ ملبوسات کی یہ تمام انواع، انسانی مزاج میں سستی اور عیش پرستی پیدا کرتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں مزاج میں جمود و تعطل اور بے راہ روی کا سبب بنتی ہیں، جب کہ مردوں کی مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چاق و چوبند رہیں اور جفاکشی اور اولو العزمی کی صفات کے حامل ہوں؛ تاکہ اپنے دین، اپنے اہل و عیال اور اپنے وطن کے دفاعی فرائض کی انجام دہی میں ہمیشہ کمربستہ رہیں۔

حدیث نمبر۱۸:

والدین کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا، جھوٹ بولنا، بے جا سوال کرنا اور مال ضائع کرنا حرام ہے:

عَنْ المغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلىَ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنَعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ المالِ۔ صحيح مسلم: (كتاب الاقضية باب 5، 3/1340، رقم الحديث: 12، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

ترجمہ:

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے۔ حقوق ادا نہ کرنا اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا بھی حرام قرار دیا ہے، نیز تمھارے لیے فضول گفتگو، کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا ناپسند کیا ہے۔

وضاحت:

اس حدیث میں والدہ کے دل دکھانے کا ذکر خاص طور پر کیا ہے حالانکہ ماں باپ دونوں کے ساتھ ہی احسان کا حکم ہے اور والد کا دل دکھانا بھی حرام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے کیونکہ وہ اولاد کی مشقت زیادہ اٹھاتی ہے جیسے قران مجید میں ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴾ [31لقمان:14]"

ترجمہ:

ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی ہے اس کی ماں نے اسے اپنے بطن میں بہت کمزوری میں اٹھائے رکھا اور دو سال اسے دودھ پلاتی رہی۔ اے انسان! میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرنا۔ تجھے میری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے۔"

صحیحین کی ایک روایت میں آپ ﷺ نے تین دفعہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی چوتھی دفعہ باپ کا ذکر فرمایا۔ ماں کا ذکر خاص طور پر اس لیے بھی کیا کہ کمزور ہونے کی وجہ سے اولاد اسے زیادہ ستاتی ہے۔

«عقوق» سے مراد اولاد کا ہر وہ قول یا فعل ہے جس سے ماں باپ کو تکلیف ہوتی ہو۔ اسی طرح شرک یا اللہ کی نافرمانی سے بچنے میں والدین کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ **«لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق»** ”خالق کی نافرمانی میں مخلوق کا حکم ماننا جائز نہیں“

«ووادالبنات» اہل جاہلیہ عام طور پر بیٹیوں کو اس لیے زندہ در گور کر دیتے تھے کہ جنگ میں دشمن کے ہاتھ نہ آ جائیں اور اس لیے بھی کہ لڑکے تو کمائیں گے جنگ میں معاون بنیں گے لڑکیاں تو بوجھ ہی بوجھ ہیں۔ کئی لوگ فقر کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ**﴾ ”اپنی اولاد کو فقیری کے ڈر سے قتل مت کرو۔“ قدیم جاہلیت میں یہ کام انفرادی طور پر ہوتا تھا۔ جاہلیت جدیدہ میں حکومتیں منظم طریقے سے یہ کام کر رہی ہیں مثلاً چین کے دہریوں نے دو بچوں سے زائد بچے پیدا کرنے پر پابندی لگا رکھی ہے اگر کسی عورت کے ہاں تیسرا بچہ پیدا ہو جائے تو زچہ خانے میں ہی حکومت کی مقرر کردہ نرسیں اور ڈاکٹر اسے زہر کا ٹیکا لگا کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ امریکہ اور دوسرے کافر ملک مسلمان ممالک میں بھی یہ قانون نافذ کروانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں : کہ ابھی تک ترغیب و تحریص سے کام لیا جارہا ہے اگلا قدم جبر کا ہوگا افسوس کہ مسلمان حکمران بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے اور اس کو رازق سمجھنے کی بجائے اپنے آپ کو رزق کے ٹھیکیدار سمجھ کر مسلمانوں کی نسل کشی کے درپے ہو چکے ہیں اللہ تعالی ہدایت عطا فرمائے۔

«وَمَنْع وھات» خود کسی کو کچھ نہ دینا اور دوسروں سے ہر چیز کا تقاضا ہی کرتے چلے جانا جس طرح پیروں کا لطیفہ مشہور ہے کہ تم آؤ گے تو کیا لاؤ گے اور ہم آئیں گے تو کیا کھلاؤ گے۔ یہ نہایت ہی خسیس بات ہے۔

«قیل و قال» یہ کہا گیا اور فلاں نے کہا اس صورت میں یہ فعل ماضی مجہول اور معروف کے صیغے ہیں یہ دونوں لفظ اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں **«قُلْتُ قَوْلاً وقیلا و قالا»** میں نے بات کہی۔ بعض اوقات **«قیل و قال»** فعل کے لفظ سے استعمال ہوتا ہے مگر مراد اسم ہوتا ہے۔

تمہارے لیے **«قیل و قال»** کو ناپسند کیا اس میں کئی چیزیں شامل ہیں۔

(ا) لوگوں کے متعلق سنی سنائی باتیں بلا تحقیق آگے پہنچانا یا لوگوں کی فضول باتوں کی تحقیق کر کے بلا ضرورت دوسروں کو سناتے رہنا پہلی صورت میں جھوٹ اور بہتان کا مرتکب ہو گا دوسری صورت میں غیبت اور چغلی کا ارتکاب کرے گا؛ کیونکہ عموماً لوگ پسند نہیں کرتے کہ ان کے متعلق بات کی جائے۔

(ا) لوگوں کے عیوب اور کمزوریاں بیان کرتے چلے جانے سے انسان اپنی حالت سے بے پروا ہو جاتا ہے اس لیے قیل و قال کو ناپسند فرمایا صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے

مروی ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «من قال هلك الناس فهو اهلكهم» ”جو کہے کہ لوگ برباد ہوگئے وہ ان سے زیادہ برباد ہے۔“

«وكثرة السوال» سے کئی چیزیں مراد ہیں لیکن ہم اختصار کے ساتھ حدیث کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں:

اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات کرنا تھا اور یہ اس لیے منع تھا؛ کہ ایسا نہ ہو کہ کسی سوال کرنے سے مسلمانوں کے لئے وہ چیزیں حرام ہو جائیں جو سکوت کی وجہ سے جائز تھیں۔"﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ [5المائدة:101]'' ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔“

اور بلا ضرورت لوگوں کے حالات کی جستجو کرنا یا ان کے ذاتی معاملات کے متعلق پوچھنا خواہ مخواہ کا تجسس ہے جو ناپسندیدہ عمل ہے۔

«واضاعة المال» مال ضائع کرنا، ناجائز جگہوں میں خرچ کرنا یا اپنی حیثیت یا موقع کی مناسبت سے بڑھ کر خرچ کرنا مال کو ضائع کرنا ہے۔

حدیث نمبر ۱۹:

ہتھیار سے کسی کو ڈرانا، دھمکانا، یا اشارہ کرنا منع ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنْ النَّارِ۔ صحيح مسلم :(كتاب البر والصلة وتحريم الظلم، رقم الحديث :6/416-2/2701، ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیں، پھر انہوں نے کئی احادیث ذکر کیں، (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا ممکن ہے شیطان اسے

اس کے ہاتھ سے چھڑوادے (اور وہ دوسرے مسلمان کو لگ جائے) اور وہ (جس کے ہاتھ سے ہتھیار چلے) جہنم کے گڑھے میں گر جائے۔"۔

وضاحت:

حدیث میں سلاح سے ہر وہ ہتھیار مراد ہے جو جنگ میں مارنے اور بچاؤ کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے نیزہ، تلوار، بندوق، پستول، کلاشنکوف، خنجر وغیرہ۔۔۔ یہی مفہوم حدیدہ دھار دار آلے کا ہے ان سے کسی مسلمان بھائی (اور اسی طرح اسلامی مملکت میں رہنے والے ذمی) کو ڈرانا ناجائز ہے اور بالقصد یا مذاق کے طور پر ان میں سے کسی سے اشارہ کرنا بھی نہایت خطرناک ہے، ہو سکتا ہے، شیطان وہ ہتھیار اس سے غیر ارادی طور پر چلوادے اور وہ اس وجہ سے جہنمی بن جائے بدقسمتی سے اسلام کی اس تعلیم کے برعکس آج کل ہتھیار کی نمائش اور اس کا بے جا استعمال بہت عام ہو گیا ہے حتٰی کہ خوشی کے موقعے پر ہوائی فائرنگ کا بھی رواج بڑھتا جارہا ہے جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور اس کے نقصانات بھی آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

حدیث نمبر ۲۰:

والد کے دوستوں سے حسن سلوک کرنا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَعْرَابِ لَقِيَهُ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللهِ، وَحَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ كَانَ يَرْكَبُهُ. وَأَعْطَاهُ عِمَامَةً، كَانَتْ عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ ابْنُ دِينَارٍ: فَقُلْنَا لَهُ: أَصْلَحَكَ اللهُ إِنَّهُمُ الْأَعْرَابُ وَإِنَّهُمْ يَرْضَوْنَ بِالْيَسِيرِ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ أَبَا هَذَا كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ» صحيح مسلم : (كتاب البر والصلة وتحريم الظلم ، رقم الحديث : 2634-416-6/417 ، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ کے کسی راستے میں ایک اعرابی ملا، تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سلام کیا، اپنے گدھے پر سوار کیا، جس پر وہ خود سوار تھے اور اپنا عمامہ اتار کر

پہنایا۔ ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے (عبد اللہ بن عمر سے) کہا: اللہ خیر فرمائے! یہ بدو لوگ معمولی دی ہوئی چیز پر راضی ہو جاتے ہیں! تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کا والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: "سب سے بڑی نیکی آدمی کا اپنے باپ کے دوست واحباب کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔

وضاحت:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے پاس ایک گدھا تھا۔ جب اونٹ کی سواری سے تھک جاتے، تو اس پر (کچھ دیر) آرام کرتے پھر اونٹ پر سوار ہو جاتے۔ انہی ایام میں ایک دن ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

نے اس سے پوچھا کہ تو فلاں بن فلاں ہے ؟ اس نے کہا: ہاں ! چنانچہ آپ اپنے گدھے سے اتر آئے اور اس سے کہا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ اور اپنے سر پر بندھا ہوا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا اور اس سے کہا کہ اس کو اپنے سر پر باندھ لو۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے یا مغفرت فرمائے ! یہ بدو لوگ ہیں اور بدو تو اس سے کم پر بھی راضی ہو جاتے ہیں !! لوگ یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ نے اپنا گدھا، جس پر آپ سوار ہوتے تھے اور عمامہ جسے سر پر باندھتے تھے، اسے دے کر پیدل چلنا کیسے گوارا کر لیا، جب کہ وہ ایک اعرابی ہے، اس سے کم پر بھی راضی ہو جاتا؟ تو انھوں نے فرمایا: ”سب سے بہتر نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ صلہ رحمی کرے“۔ یعنی جب انسان کا باپ، ماں یا کوئی قریبی فوت ہو جائے تو، ان سے لگاؤ اور انسیت رکھنے والوں سے حسن سلوک کرے۔ یعنی صرف ان کے دوست کے ساتھ نہیں بلکہ اس دوست کے عزیز و اقارب کے ساتھ بھی۔ اس اعرابی کا باپ عمر کا رضی اللہ عنہ کا دوست تھا۔ یعنی عبد اللہ کے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا۔ اس لیے اپنے والد گرامی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نیک برتاؤ کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے ان کی عزت افزائی کی۔

حدیث نمبر ۲۱:

نیکی اچھے اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں پر ظاہر ہونے سے تجھے برا لگے:

عَنْ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ صحیح مسلم :(کتاب البر والصلة وتحریم الظلم، رقم الحدیث: 2625-6/418، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے سوال کیا تو ارشاد فرمایا: کہ

نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تمہیں یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔

وضاحت:

حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ نیکی حسن خلق کا نام ہے۔اس میں ہر وہ فعل شامل ہے جسے اچھی اخلاقی صفت کہا جا سکتا ہو چاہے وہ بندے اور اس کے رب کے مابین ہو یا پھر بندے اور اس کے مسلم بھائی کے مابین ہو یا پھر اس کے اور عام لوگوں کے مابین ہو چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ یا پھر دوسری حدیث کی رو سے نیکی سے مراد ہر وہ کام ہے جس پر نفس مطمئن ہو جائے اور نفس کا اطمئنان اچھے اعمال و اقوال پر ہی ہو تا ہے چاہے وہ اخلاق میں سے ہوں یا پھر ان کے علاوہ دیگر افعال میں سے۔ اور گناہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دل میں کھٹکے۔ جیسے کسی شبہے کا لاحق ہونا جس سے دل میں تردد ہو۔ تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور اس سے دور رہا جائے تاکہ نفس کو حرام میں مبتلا ہونے سے بچایا جاسکے۔ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اسے مکمل طور پر ترک کر دیا جائے اور اس چیز پر اعتماد کیا جائے جس پر دل مطمئن ہو۔اور جو چیز انسان کے دل میں کھٹکے وہ گناہ ہوتی ہے اگرچہ دیگر لوگ یہ فتوی دیں کہ یہ گناہ نہیں ہے۔ تاہم ایسا صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جن کا سینہ ایمان کی بدولت کشادہ ہو چکا ہو اور مفتی ایسا ہو جو اسے مجرد ظن اور ہوائے نفس کی طرف میلان پر تکیہ کرتے ہوئے فتوی دے رہا ہو اور اس کے پاس کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔جب کہ وہ فتوی جس کے ساتھ شرعی دلیل بھی ہو تو اس کے سلسلے میں حکم یہ ہے کہ وہ اسے اختیار کرے گا اگرچہ اس کا شرح صدر نہ بھی ہو۔

حدیث نمبر ۲۲:

مہمان نوازی کی فضیلت اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیمات:

عَنْ أَبِي شرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعَتْ أُذُنَايَ، وَأَبْصرتْ عَيْنَايَ، حِينَ تَكَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ»، قَالُوا: وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ. وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ» وَقَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔ صحيح مسلم: (كتاب القضاء والشهادت، رقم الحديث: 1775-6/491، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ انہوں نے کہا: جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے گفتگو کی، تو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میری دونوں آنکھوں نے دیکھا،

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی اکرام کرے۔“ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کب تک ؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”اس کے ایک دن اور ایک رات اکرام کا اہتمام کرے اور مہمان نوازی تین دن ہے، جو اس سے زائد ہے وہ اس پر صدقہ ہے۔“ اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔“

وضاحت:

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث دلالت کرتی ہے کہ مہمان کا اکرام اور اس کی خدمت کرنی چاہیے۔ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے مروی ہے: کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ "جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے"۔ اس میں مہمان کے اکرام کی ترغیب ہے اور اس پر ابھارا گیا ہے یعنی مہمان کا اکرام وہی کرتا ہے جو صاحب ایمان

ہو۔ مہمان نوازی اور مہمان بننے کے آداب بھی بتادئے: کہ پہلے دن مہمان سے حسب استطاعت اچھا برتاؤ کرے اور بقیہ دن حسب کفایت معاملہ اختیار کرے تاکہ مہمان اور میزبان پر بوجھ ناہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: « فليكرم ضيفه جائزته يوما وليلة والضيافة ثلاثة أيام » اس میں 'جائزہ' کے لفظ کے معنی میں علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک دن اور ایک رات مہمان کا خوب خیال رکھے اور اس کے ساتھ جو کچھ بھی اچھائی اور بھلائی ممکن ہو وہ کرے۔ جب کہ دوسرے اور تیسرے دن میں جو کچھ میسر ہو وہ اسے کھلائے اور اپنے معمول سے نہ بڑھے۔ جب کہ تین دن کے بعد یہ صدقہ اور نیکی ہے اگر چاہے تو کرلے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

اور مہمان کے آداب ہیں کہ تین دن سے زیادہ مہمان نا بنے؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میزبان اس کے لمبے قیام کی وجہ سے اس کی غیبت کر بیٹھے یا اس کے ساتھ کچھ ایسا سلوک کرے جس سے اس کو تکلیف ہو یا پھر اس کے بارے میں کوئی گمان رکھے جو کرنا جائز نہیں۔ یہ سب اس صورت

پر محمول ہے جب وہ میزبان کی دعوت کے بغیر اس کے ہاں تین دن کے بعد تک ٹھہرا رہے۔
یہاں یہ جان لینا مناسب ہے کہ مہمان کا اکرام مہمان کی حالت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔
کچھ لوگ بڑے اور معزز ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا اکرام ان کے شایانِ شان ہونا چاہئے۔ بعض
لوگ متوسط درجے کے ہوتے ہیں ان کا اکرام ان کے لحاظ سے ہونا چاہیے۔ کچھ لوگ ان سے
بھی کم تر درجے کے ہوتے ہیں لہذا مہمانوں کی تکریم ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق کرنی
چاہئے۔

دوسرے جزء کی وضاحت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے کچھ جامع معاشرتی اصول روایت کر رہے ہیں: "جو کوئی
ایمان رکھتا ہو" یہ شرطیہ جملہ ہے، جس کا جواب "اسے چاہیے کہ وہ بھلی بات کرے یا خاموش
رہے"۔ اس جملے سے مقصود اچھی بات کہنے کی ترغیب دینا یا پھر بری بات کے بجائے چپ
رہنے پر ابھارنا ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو
اچھی بات کہو یا پھر چپ رہو۔

حدیث نمبر ۲۳:

جہنم کے دو طبقے جنہیں میں نے نہیں دیکھا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ "صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهما، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مميلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا" صحيح مسلم :(كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها رقم 53-(2857) ، ط: دارالكتب العلمية بيروت)

ترجمہ:

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ والوں کی دو قسمیں ایسی ہیں کہ جنہیں میں نے نہیں دیکھا، ایک قسم تو ان لوگوں کی ہے کہ جن کے

پاس بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے جس سے وہ لوگوں کو مارتے پھریں گے اور دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی، ان عورتوں کے سر بُختی اونٹوں کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے ہوں گے وہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی؛ حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی مسافت (یعنی دور) سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

وضاحت:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ «صِنفَان من أهل النار لم أَرَهما» یعنی میں نے ان کو اپنے زمانے میں نہیں دیکھا، (اس زمانے کی پاکیزگی کی وجہ سے)، بعد میں یہ ظاہر ہونگے۔ یہ اللہ کے نبی ﷺ کے معجزات میں سے ہے، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تائید فرمائی۔

پہلی قسم: "قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ" علماء کرام کہتے ہیں کہ اس کا مصداق وہ پولیس والے ہیں جو لوگوں کو ناحق گائے کی دُموں کے مانند اپنے کوڑوں سے مارتے پھریں گے یعنی لمبے کوڑوں سے لوگوں کو ناحق ماریں گے۔

دوسری قسم: "وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ، مميلاتٌ مَائِلاتٌ" ہے۔ اس کے دو مطلب بنتے ہیں ۔بعض علماء کرام کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہیکہ عورتیں باریک لباس پہنیں گی جو تقوے سے خالی ہو گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ "اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے"۔لہذا اس حدیث سے ہر گناہ گار عورت مراد ہو گی جس نے اگرچہ لباس پہنا ہو گا مگر تقوے سے خالی ہو نگی وہ اس لیے کہ تقوی سے خالی ہونا یقیناً ننگا ہونا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾جبکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ "كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ" سے مراد یہ ہیکہ انہوں نے کپڑے تو پہنے ہوں گے لیکن ان سے ستر نہیں چھپے گا یا تو تنگ ہونے کی وجہ سے یا باریک ہونے کی وجہ سے یا چھوٹے ہونے کی وجہ سے۔ ان میں سے کسی بھی طرح کے کپڑے پہننے والی عورت کپڑے پہن کر بھی ننگی ہے۔ "مميلات" یعنی آڑھی مانگ نکالنے والی (جو سر کے ایک جانب کو نکالی جاتی ہے) جیسا کہ بعض حضرات نے اس کی تفسیر کی ہے کہ ایک جانب مانگ نکالنے والی عورت "مائلة" کہلاتی ہے اور اس کا طرزِ عمل "میل" کہلاتا ہے، اس لیے کہ یہ عورتیں اپنی ایک جانب مانگ نکال کر اجنبی مردوں کو مائل کرنے والی ہوتی ہیں۔ یہ میلان خاص کر کفار کی عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اس میں بعض مسلمان عورتیں بھی مبتلا ہیں، (اللہ کی پناہ) ایسی عورتیں "مميلة" یعنی اپنی مانگ کو ایک طرف مائل کرنے والی کہلاتی ہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے "مميلاتٌ" کا مطلب ہے دوسروں کو فتنے میں ڈالنے والی عورتیں، بایں

طور کہ وہ ننگے سر اور خوشبو وغیرہ کے ساتھ نکلتی ہیں، اس طرح دوسروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔شاید یہ لفظ دونوں معنوں کو شامل ہے۔

اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب نص دو معنوں پر مشتمل ہو اور کسی ایک معنی کی وجہِ ترجیح نہ ہو، تو اسے دونوں معنوں پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی کسی ایک معنی کے لیے کوئی وجہِ ترجیح نہیں اور نہ ہی دونوں معنوں کے جمع ہونے میں کوئی ممانعت ہے، اس لیے یہ دونوں معنوں کو شامل ہو گا۔ **"مَائِلات"** یعنی حق سے اور اپنے اوپر لازم شرم و حیاء سے انحراف کرنے والی عورتیں، جیسے آج کل بازاروں میں بے پردہ عورتیں اتنی قوت سے چلتی ہیں کہ مردوں جیسی لگتی ہیں۔ وہ فوجیوں کی طرح زمین پر زور سے قدم رکھتی ہیں اور بہت پھرتیلی اور بے پرواہ انداز میں چلتی ہیں۔ کچھ مرد بھی اتنی پھرتی اور زور سے نہیں چل سکتے مزید یہ کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اونچی آواز میں اس طرح ہنسی مذاق کرتی ہیں کہ فتنے کا سبب بن جاتی ہیں، اسی طرح دکان والے کے ساتھ کھڑی ہو کر ہنستے ہوئے لین دین کرتی ہیں اور دیگر بہت ساری خرابیوں اور بُرائیوں کا ارتکاب کرتیں ہیں۔

یہ عورتیں مَائِلاَتٌ ہیں، یقیناً یہ حق سے دور ہیں۔ «رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ البُخْتِ المائِلة» ان کے سر بختی اونٹ کی کوہان کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے ہونگے۔ البخت: ایک قسم کا اونٹ ہوتا ہے جس کا لمبا کوہان دائیں یا بائیں طرف جھکا ہوتا ہے، یہ عورت بھی اپنے سر کے بال اٹھا کر بختی اونٹ کی طرح دائیں یا بائیں جھکا دیتی ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ وہ عورت ہے جو اپنے سر پر مردوں کی طرح پگڑی رکھتی ہے تاکہ اس کا دوپٹہ اونچا رہے، یہ بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہے۔ بہر حال یہ عورت اپنے سر کی یوں زیب و زینت کرتی ہے جو فتنے کا سبب بنتا ہے، یہ بھی جنت میں نہیں جائے گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھ سکے گی۔

یعنی یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ اس کے قریب بھی نہیں ہوں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال یا اس سے زیادہ دور مسافت سے بھی سونگھی جاسکتی ہے؛اس لیے کہ یہ راہِ راست سے بھٹک چکی ہوں گی یہ کپڑے پہننے کے باوجود بھی ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی اور اور اپنے سر کو ایسے مائل کرنے والی ہونگی جو فتنے اور زینت کا باعث ہے

حدیث نمبر ۲۴:

آخر الزمان میں مسلمان کا بہترین مال:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ المُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الجِبَالِ وَمَوَاقِعَ القَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الفِتَنِ. صحيح البخاری: (کتاب الایمان باب من الدین الفرار من الفتن، رقم الحدیث: 19۔1/201 مکتبة، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” عنقریب مسلمان کا سب سے بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور

بارش کے مقامات (سر سبز جگہوں) کی طرف چلا جائے گا تا کہ اپنے دین کو فتنوں سے محفوظ رکھ سکے"۔

وضاحت:

اس حدیث میں فتنوں کے دور میں عزلت نشینی کی فضیلت کا بیان ہے ماسوا اس کے کہ اس بندے میں فتنے کو دور کرنے کی طاقت ہو۔ اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ فتنے کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ ایسا کرنا اس پر یا تو فرض عین ہو گا یا پھر حالات و امکانات کے لحاظ سے فرض کفایہ ہو گا۔ تاہم فتنے کے علاوہ دیگر دنوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان میں انسان کے لیے عزلت نشینی اور لوگوں سے گھل مل کر رہنے میں سے کون سی صورت افضل ہے؟ زیادہ پسندیدہ قول یہی ہے کہ انسان لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہے اگر اسے غالب گمان ہو کہ وہ گناہوں میں مبتلا نہیں ہو گا۔ «**یفر بدینه من الفتن**» یعنی اس اندیشے کے تحت بھاگ جائے گا کہ کہیں دین کے معاملے میں وہ فتنوں کا شکار نہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ جن علاقوں میں شرک عام ہو وہ وہاں سے ہجرت کر کے ان علاقوں میں آ جائے جہاں اسلام کا غلبہ ہو اور اسی طرح جن علاقوں میں فسق و فجور کا دور دورہ ہو انہیں چھوڑ کر ان علاقوں میں آ جائے جہاں (اسلام پر) استقامت کا غلبہ ہو۔ لوگوں اور وقت کے تغیر کے ساتھ ایسے ہی کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۲۵:

بڑے گناہ: شرک، والدین کی نافرمانی، جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ہیں:

عَنْ عَبْدِ الرَّحمنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الكَبَائِرِ» قُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ: أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا، حَتَّى قُلْتُ: لاَ يَسْكُتُ۔ صحيح البخاري:(كتاب الأدب،رقم الحديث:5970-10/8،ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں بہت بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے کہا: اللہ کے رسول! ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔“ آپ ﷺ اس وقت ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ”خبردار! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی۔ آگاہ رہو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی۔“ آپ ﷺ مسلسل اسے دہراتے رہے حتی کہ ہم اپنے جی میں کہنے لگے کہ کاش! آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔

وضاحت:

نبی کریم ﷺ نے (استفساری انداز میں) اپنے صحابہ سے فرمایا کہ کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہ کی بابت خبر نہ دوں؟ پھر آپ ﷺ نے ان تین کبیرہ گناہوں کا ذکر فرمایا؛ ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے مقام و مرتبے کی پامالی اور اس کے حق کو غیر مستحق، عاجز و بے بس مخلوق کے حوالے کرنا ہے۔

دوسرا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی کی جائے، جو انتہائی قبیح گناہ ہے؛ کیوں کہ اس میں اپنے قریب ترین رشتے دار کے احسان کا بدترین بدلے ہے۔

تیسرا کبیرہ گناہ جھوٹی گواہی دینا ہے، جس میں ہر وہ دھوکہ بازی و جھوٹ شامل ہے، جس کے ذریعے کسی مقدمے میں پھنسے ہوئے شخص کے مال کو ہڑپ لینے یا اس کی عزت و آبرو پر دست درازی کرنے یا اس طرح کی دیگر حق تلفیاں مقصود ہوتی ہیں۔ اس حدیث سے شرعی احکام کو صیغہ تنبیہ **"ألا أنبئكم"** (کیا میں تمہیں خبر نہ دوں) کے انداز میں پہنچانے کا ثبوت ملتا ہے۔ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے؛ کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سب سے پہلے بیان کیا ہے اور سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

اس کی تاکید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

﴿إن الله لا يَغْفِرُ أن يشرَكَ به وَيَغْفِرُ مَا دونَ ذلِكَ لِمَنْ يشَاء﴾ یعنی یقینا اللہ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ والدین کے حقوق عظیم ہیں؛ کیوں کہ ان دونوں کے حق کو اللہ کے حق کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ جھوٹی گواہی کی سنگینی اور مسلم معاشرے میں اس کے برے اثرات، چاہے یہ اخلاقی پیمانے پر ہوں یا اجتماعی زندگی کے ہوں وہ بالکل ظاہر ہیں۔

حدیث نمبر ۲۶:

محبتِ رسول ﷺ ایمان کی شرط ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ صحیح البخاری:(کتاب الایمان رقم الحدیث:15-199/1،ط:دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن

نہیں ہو سکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

وضاحت:

رسول اللہ ﷺ ہمیں بتارہے ہیں کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا اور نہ اسے وہ ایمان حاصل ہوتا ہے، جس کی بنا پر وہ بغیر عذاب جنت میں داخل ہو جائے گا، جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے بچوں، اپنے والدین اور تمام انسانوں کے محبت پر مقدم نہ رکھے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے معنی ہیں اللہ کی محبت؛ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اس کے دین کی طرف راہ نمائی کرنے والے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت صرف وہی درست ہے، جس میں شریعت کے احکامات کو بجالایا جائے اور حرام کردہ اشیا سے اجتناب کیا جائے۔ صرف قصیدے پڑھنا، جلسے اور محفلیں منعقد کرنا اور نغمے پڑھنا کافی نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت رکھنا اور اس کو تمام مخلوق کی محبت پر فوقیت دینا واجب ہے؛ کیوں کہ محبت قلبی جذبے کا نام ہے اور اس شخص سے ایمان کی نفی کی گئی ہے، جس کے نزدیک رسول ﷺ کی محبت (حدیث میں) ذکر کردہ چیزوں کی محبت

سے بڑھ کر نہ ہو۔ ایمان کی نفی سے کمال ایمان کی نفی مراد ہے: یعنی کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک نبی کریم ﷺ اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔ سچے ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اثر ایمان رکھنے والے شخص پر ظاہر ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کو جان، اولاد، والد اور تمام لوگوں پر مقدّم رکھنا واجب ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ کی محبّت کو اپنے نفس و مال پر مقدّم رکھنا ضروری ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنّت سے محبت کرے اور اس کے لیے وہ اپنی جان و مال اور پوری طاقت لگا دے، اسی لیے بعض اہل علم نے اللہ کے قول: {إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ} میں کہا ہے کہ اس سے مراد آپ سے نفرت کرنے والا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسی طرح اس سے مراد وہ شخص بھی ہے، جو آپ کی شریعت سے بغض رکھے۔ اس طرح کا آدمی خیر و بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ محبت جائز ہے جو شفقت و اکرام اور تعظیم کے طور پر ہو، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: **"أحب إليه من وَلَدِهِ ووالده..."** یعنی اس کے نزدیک اس کی اولاد اور اس کے والدین سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ یہاں آپ ﷺ نے اصل محبت کو ثابت کیا ہے اور یہ ایک طبعی معاملہ ہے، جس کا کوئی منکر نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو تمام لوگوں کی بات پر مقدم رکھنا واجب ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ کے ہر ایک سے زیادہ محبوب ہونے کا لازمی معنی یہ ہے کہ آپ کا قول تمام لوگوں کے قول پر مقدّم ہو، یہاں تک کہ تمہاری جان پر بھی۔

حدیث نمبر ۲۷:

مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے:

عَنْ اِبْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ۔

(صحیح مسلم: کتاب الایمان رقم الحدیث:57-1/415، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے''۔

وضاحت:

یہ حدیث مسلمان کے حق کی عظمت کی دلیل ہے؛ بایں طور کہ اس میں مسلمان کے اپنے بھائی کو گالی دینے کو فسق قرار دیا گیا ہے۔ فسق کا معنی ہے: اللہ کی اطاعت گزاری کو چھوڑ دینا اور یہ کہ جو اپنے مسلمان بھائی سے لڑائی کرتا ہے وہ ایسے کفر کا مرتکب ہوتا ہے جو اسے دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے جب کہ وہ مسلمان سے لڑنے کو حلال سمجھے۔ اور جب وہ اپنی کسی ذاتی وجہ سے یا پھر کسی دنیوی غرض سے لڑائی کرے اور اس کے خون بہانے کو حلال خیال نہ کرتا ہو تو پھر وہ کفرِ اصغر کا مرتکب ہو گا جو ملتِ اسلام سے اخراج کا باعث تو نہیں ہوتا لیکن گناہ کبیرہ اور حرام کا مرتکب ضرور ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں اس پر کفر کے لفظ کا اطلاق ممانعت میں مبالغہ و شدت پیدا کرنے کے لیے ہے۔

حدیث نمبر ۲۸:

اسلام کا آغاز اجنبیت (غریبی) سے ہوا، اور اسلام واپس اجنبیت (غریبی) کی طرف لوٹ آئے گا:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "إِنَّ الإِسْلاَمَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ وَهُوَ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ فِي جُحْرِهَا۔" صحیح مسلم :(کتاب الایمان رقم الحدیث:135-486/1، ط:دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور انتہاء میں بھی اجنبی ہو جائے گا اور دو مسجدوں میں سمٹ جائے گا جیسے سانپ اپنے بل (سوراخ) میں سمٹ جاتا ہے۔

وضاحت:

اسلام کا آغاز ایسے معاشرے سے ہوا جہاں ظلم جبر زیادتی بد دیانتی اور فحاشی و عریانی ایک عمومی رواج تھا، شرک وضلالت گھر گھر موجود تھی حتی کہ بیت اللہ میں بھی 360 بت رکھے ہوئے

تھے۔ ایسے وقت میں شعور وآگہی کا سلسلہ اور توحید وھدایت کا نعرہ ایک اجنبی اور نیا فعل تھا اس اجنبیت میں اسلام کی صدا پھیلتے پھیلتے آج سارے عالم میں گھر گھر اسلام کی تعلیمات پہنچ چکی ہیں۔ قرب قیامت میں بھی اسلام یونہی اجنبی ہوتا جائے گا جیسا کہ ہم آج کل دیکھ رہے ہیں۔ اسلام کو محض عبادات تک محدود سمجھ لیا گیا ہے۔ اسلام کی معاشرتی ومعاشی تعلیمات اور ریاستی احکامات ایک کہانی لگتے ہیں لوگ دھیرے دھیرے اپنے دین سے ناآشنا ہوتے جارہے ہیں دنیا میں مسلمان ہیں مگر اسلام کی عملی تصویر نہیں ہے۔ اس حدیث میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کی ہے کہ اسلام کا آغاز اجنبیت سے ہوا، اور اسلام واپس اجنبیت کی طرف لوٹ آئے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین اسلام مسجد حرام اور مسجد نبوی کے درمیان مکہ اور مدینہ میں "سمٹ جائے گا" مکہ ومدینہ اسلام کا گھوارہ اور اس کا نقطہ آغاز ہیں، "بس۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ میں سمٹتا ہے، اسی طرح اسلام اپنے نقطہ آغاز کی طرف سمٹ جائیگا جیسا کہ مکہ اور مدینہ سے شروع ہوا تھا وہ ایک بار پھر ان کی طرف لوٹے گا۔ اور اس حدیث میں مکہ اور مدینہ کی مساجد کی فضیلت ثابت ہے، اور دین کے ان کے درمیان جمع ہونے کی اور ان کی طرف لوٹنے کا اشارہ ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ایمان ان کی طرف بھاگیں گے فتنہ سے حفاظت، اور دین کے ضائع ہونے کے خوف سے۔

حدیث نمبر ۲۹:

فتنوں اور اجنبیت (غریبی) کے دور میں اسلام کا مستقبل: ایک حدیث کی روشنی میں:

عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: قال رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَحْصُوا لِي كُلَّ مَن تَلَفَّظَ بِالْإِسْلَامِ قَالَ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَخَافُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مِائَةٍ إِلَى السَّبْعِ مِائَةٍ؟ فَقَالَ رسول الله: إِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ لَعَلَّكُمْ أَنْ تُبْتَلَوْا قَالَ فَابْتُلِينَا حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا ما يُصَلِّي إِلَّا سِرًّا۔ صحيح مسلم:(كتاب الايمان ،رقم الحديث:138-1/488 ، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جس نے اسلام کا اظہار زبان سے

کیا ہے ان کا شمار کرو، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں، ہم چھ سو سے سات سو کے درمیان ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نہیں جانتے شاید تمہیں آزمایا جائے گا، حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آزمائش میں مبتلا ہوئے حتی کہ ہم نے چھپ کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔

وضاحت:

مردم شماری کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ افرادی قوت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالی پر اس قدر توکل تھا کہ چھ سات سو کی تعداد ہوتے ہوئے خود کو نا قابل شکست سمجھتے تھے زیادہ تعداد کے باوجود آزمائش آسکتی ہے۔ اس لیے اللہ سے مدد مانگتے رہنا چاہیے اور آزمائش میں ثابت قدم رہنا چاہیے اوراس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے: کہ جب مسلمانوں کے دفاع کی ضرورت ہو تو امام کا مردم شماری کرنے اور لوگوں کو جنگ کیلئے تیار کرنے کا ثبوت ملتاہے۔ نیز فوج اور فوجی دستوں کا دیوان لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس حدیث میں: اپنی کثرت پر فخر کرنے کی ممانعت ہے۔

حدیث نمبر ۳۰:

قرآنِ مجید سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت:

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔صحيح البخاري:(فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، رقم الحديث:5014-555/6،ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھلائے۔

وضاحت:

تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے"، یہ خطاب امت کے لیے عام ہے، پس لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس میں یہ دونوں صفتیں قرآن سیکھنے اور سکھلانے کي پائی جائیں یعنی اس نے دوسرے سے سیکھا ہو اور پھر اسے دوسرے کو سکھلائے، کیوں کہ قرآن کا سیکھنا سب سے افضل علم ہے، سیکھنا اور سکھلانا یہ قرآن کے لفظي و معنوي دونوں تعلیم کو شامل ہے، پس جو قرآن تحفیظ کروائے یعنی لوگوں کو ناظرہ وحفظ قرآن کی تعلیم دے، تو اس کا شمار سکھانے والوں میں ہو گا، اور اسی طرح اگر کسی نے اسی طریقے پر قرآن سیکھا ہو تو اس کا شمار سیکھنے والوں میں ہو گا، اور دوسری قسم: قرآن کے معنی کی تعلیم ہے یعنی تفسیر کی تعلیم کہ انسان لوگوں کے پاس بیٹھ کر انھیں اللہ عزوجل کے کلام کی تفسیر سکھائے۔ اگر انسان نے دوسرے کو قرآن کی تفسیر سکھادیا اور اسے اس کے قواعد سے روشناس کرادیا تو اس کا شمار قرآن کو سکھلانے والوں میں ہو گا۔ اس حدیث سے قرآن کریم کی سیکھنے اور اس کے سکھلانے کی فضیلت ثابت ہے۔ قرآن کے احکام و آداب اور اخلاق پر عمل کرنے کی فضیلت ثابت ہے۔ عالم کو چاہیے کہ علم حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو علم سکھائے تاکہ اس کو یہ فضیلت مکمل طور پر حاصل ہو جائے۔

حدیث نمبر ۳۱:

افضلیت کے دو پیمانے: جہاد فی سبیل اللہ اور تقویٰ:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قِيلَ: يا رَسولَ اللَّهِ أيُّ النَّاسِ أفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسولُ اللَّهِ صَلىَ اللهُ عليه وسلَّمَ: مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ في سَبيلِ اللَّهِ بنَفْسِهِ ومَالِهِ، قالوا: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: مُؤْمِنٌ في شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي اللَّهَ، ويَدَعُ النَّاسَ مِن شرہِ۔صحيح البخارى:(باب افضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه وماله في سبيل الله، رقم الحديث:2803-41/4، ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا: اللہ کے رسول ﷺ !لوگوں میں کون شخص افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ”وہ

مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے عرض کیا: پھر کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ”وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں رہنا اختیار کرے، وہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔

وضاحت:

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا شخص سب سے بہتر ہے؟۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وضاحت فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مزید دریافت کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا شخص سب سے بہتر ہے؟۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں عزلت نشین ہو کر اللہ کی عبادت کرنے والا اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ کر دینے والا شخص۔ یعنی جو اللہ کی عبادت میں لگا رہتا ہے، لوگوں سے تعرض کرنے سے باز رہتا ہے اور کسی کے ساتھ برا کرنے کا نہیں سوچتا۔ بس اللہ سے لو لگائے رہتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۲:

قرآنِ مجید کو یادرکھنے کی تلقین، ایک حدیث کی روشنی میں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلیَ اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يقُولَ نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسيِ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنْ النَّعَمِ۔ صحيح البخاري:(باب استذكار القرآن رقم الحديث:5019-557/6،ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کا یہ کہنا بہت برا ہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بلکہ وہ بھلا دیا گیا ہے۔ تم قرآن پڑھتے

رہا کرو کیونکہ قرآن انسانوں کے دلوں سے نکل جانے میں اونٹ کے بھاگ جانے سے بڑھ کر ہے۔

وضاحت:

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی مذمت کی ہے، جو کہے کہ میں یہ اور وہ آیتیں بھول چکا ہوں؛ کیوں کہ یہ قرآن کو یاد رکھنے کے معاملے میں سستی اور غفلت کی دلیل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کی دیکھ بھال اور اسے یاد رکھنے کے معاملے میں سستی کی وجہ سے اسے قرآن کو بھولنے کی سزا ملی ہے۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت قرآن کی پابندی، اسے یاد رکھنے اور اس کا ورد کرتے رہنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ وہ سینوں سے نکل بھاگنے کے معاملے میں اونٹ سے بھی کہیں تیز ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص اونٹ کا ذکر اس لیے کیا، کیوں کہ وہ پالتو جانوروں کے مابین بدکنے میں سب سے تیز اور خطرناک ہے اور بدک جائے تو اسے پکڑنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۳:

علماء: انبیاء کے وارث ہیں اور علم حاصل کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت: ایک حدیث کی روشنی:

عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ! إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ! قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ، وَمَنْ فِي الْأَرْضِ، وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ

أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔ سنن ابی داؤد:(کتاب العلم ،باب الحث علی طلب العلم، رقم الحدیث:3596-5/6،ط:دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت کثیر بن قیسؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: اے ابوالدرداء! میں ایک حدیث کی خاطر مدینۃ الرسول "ﷺ" سے آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ مجھے یہاں اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے۔ تو انہوں نے کہا: بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے فرماتے تھے: "جو شخص کسی راستے میں حصول علم کی خاطر چلا ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر چلائے گا۔ اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں، اور صاحب علم کے لیے آسمانوں میں بسنے والے، زمین میں رہنے والے اور پانی کے اندر مچھلیاں بھی مغفرت طلب کرتی ہیں۔ اور بلاشبہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہی ہے جیسے کہ چودھویں کے چاند کی سب

ستاروں پر ہوتی ہے، بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کوئی درہم و دینار ورثے میں نہیں چھوڑے ہیں۔ انہوں نے علم کی وراثت چھوڑی ہے۔ جس نے اسے حاصل کر لیا اس نے وافر حصہ (بڑا حصہ)پایا۔

وضاحت:

اس حدیث میں طلب علم کے بعض فضائل وارد ہوئی ہے: ان فضائل میں سب سے پہلی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص کسی راہ پر نکل پڑے اور اس راہ پر نکلنے کا مقصد محض طلب علم یا علم کی تحقیق ہو؛ چاہے وہ طالب علم گھر ہی میں کیوں نہ ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے طلب علم کا بدلہ عنایت فرمائے گا۔ یعنی اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دے گا۔ علمی راہ اپنانے میں جس طرح حسی راستہ شامل ہے، جس میں انسان اپنے قدموں کے ذریعے چل کر جاتا ہے، اسی طرح اس میں معنوی راستہ بھی شامل ہے۔ مثلا انسان علماء کرام کی مجالس اور کتابی ذخیروں سے علم حاصل کرنا۔ کیوں کہ جو شخص کسی شرعی مسئلے کا حکم جاننے کی غرض سے کتابوں کی تحقیق و مراجعہ کرتا ہے یا کسی شیخ کی مجلس میں بیٹھ کر اس سے استفادہ کرتا ہے، وہ بھی طلب علم کے رستے پر ہوتا ہے۔ اس حدیث میں مذکور فضائل میں یہ بھی ہے کہ آسمان و زمین کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ سمندر میں موجود مچھلیاں اور خشکی میں پائے جانے والے چوپائے بھی

ان علماء کرام کے حق میں مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔ طلب علم کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ اللہ عز وجل کی مکرم و معزز مخلوق فرشتے بھی طالب علم کو علمی مشاغل میں مصروف دیکھتے ہوئے خوشی سے اہل علم کی عظمت کے اعتراف میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کردہ فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ علماء کرام انبیاء علیھم السلام کے وارث و جانشین ہیں۔ نیز دعوت الی اللہ اور انسانوں کی اللہ اور اس کے دین کی طرف رہ نمائی کا فریضہ بھی انھیں وراثت میں ملا ہے۔ اس میں یہ فضیلت بھی بیان کی گئی ہے کہ عابد پر عالم دین کو ایسے ہی امتیاز و برتری حاصل ہے، جیسے چودھویں رات کے کامل چاند کو دیگر سارے ستاروں پر حاصل ہوتی ہے؛ کیوں کہ عبادت کا نور اور اس کا کمال محض عابد تک محدود رہتا۔ جب کہ علم کا نور اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ عالم کے علاوہ دیگر انسانوں کو بھی مستفید ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا بھی ذکر فرمایا کہ انبیاء علیھم السلام نے اپنے جانشینوں کے لیے دنیا کی کوئی بھی چیز وراثت میں نہ رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دنیا میں درہم و دینار کی بجائے علم جیسی انتہائی عظیم میراث باقی رکھی۔ لہٰذا جس شخص نے اس علمی ورثے کو لے لیا، تو حقیقتا اس نے بھرپور انداز میں انبیاء علیھم السلام کی میراث پائی۔ یہاں مسلمان کو اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہیے کہ فضیلت یافتہ عالم کی زندگی عمل سے اور عابد کی زندگی علم سے خالی ہو سکتی ہے؛ بلکہ اگر عابد کا دامن علم سے بھر جائے، تو وہ اپنے عمل میں قوی ہو جائے گا اور اگر عالم اپنے علم پر عمل پیرا ہو جائے، تو وہ اپنے علم میں قوی ہو گا۔

حدیث نمبر ۳۴:

جس نے دھوکا کیا، وہ مجھ سے نہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ: «مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟!» قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: "أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي" صحيح مسلم: (كتاب الايمان، رقم الحديث: 94-1/441، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ غلے کی ایک ڈھیری کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا، آپ کی انگلیوں نے نمی محسوس کی تو آپ نے فرمایا: ”غلے کے مالک! یہ کیا ہے؟“ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپ

ﷺ نے فرمایا: ”تو تم نے اس (بھیگے ہوئے غلے) کو اوپر کیوں نہ رکھا، تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جس نے دھوکا کیا، وہ مجھ سے نہیں۔“

وضاحت:

اس حدیث سے معلوام ہوا کہ علماء کرام اور حکمران کو عوام کے حالات سے براہ راست آگاہ ہونا اور ان کی غلطیوں پر بروقت تنبیہ کرنا ضروری ہے۔ غلے میں دھوکا یہ تھا کہ بارش میں کچھ غلہ بھیگ گیا تھا۔ غلے کے مالک نے خشک غلہ اوپر کر دیا، اس طرح گیلا غلہ نیچے چھپ گیا۔ اور دھوکے کی کئی اور صورتیں بھی ہیں، وہ سب حرام ہیں، مثلاً جھوٹ کو چرب زبانی سے سچ ثابت کرنے کی کوشش کرنا، باطل کو حق کے رنگ میں پیش کرنا، سودے کا عیب ظاہر نہ کرنا اور اچھے مال میں ردّی اور گھٹیا مال کی ملاوٹ کر دینا اور عمدہ مال کی قیمت وصول کر دینا۔ اسی طرح سودے میں کسی اور چیز کی ملاوٹ کر دینا تاکہ اس کا وزن زیادہ ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی طرح علماء کرام نے لکھا ہے کہ امتحان میں ناجائز ذرائع، نقل وغیرہ اختیار کرنا، یا ممتحن کا طالب علم کو اس کے استحقاق سے زیادہ نمبر دے دینا بھی دھوکے دہی میں شامل ہے۔ اس سے مستحق افراد کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم میں سے نہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ مومنوں کے طریقے پر نہیں اور اس روایت میں یہ لفظ ہیں (فَلَيْسَ مِنِّیْ) وہ مجھ سے نہیں“ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ میرے طریقے پر نہیں، میرے امتی کو یہ حرکت زیب نہیں دیتی، اس لیے ہر مسلمان کو ہر قسم کی دھوکا دہی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۳۵:

ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی سب سے اعلیٰ شاخ کلمہ توحید ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا ہے۔ حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ - أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ - شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔

صحیح مسلم: (کتاب الایمان: (رقم الحدیث: 391/1-1/27، ط: دار التاصیل)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایمان کے ستر سے اوپر (یا ساٹھ سے اوپر) شعبے (اجزاء) ہیں۔ سب سے افضل **لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ** کا اقرار ہے اور

سب سے چھوٹا کسی اذیت (دینے والی چیز) کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کی شاخوں میں سے ایک ہے۔

وضاحت:

ایمان صرف ایک ہی خصلت یا ایک ہی شعبے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے بہت سے شعبہ جات ہیں، ستّر سے کچھ اوپر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شعبہ جات ہیں۔ تاہم ان میں سے افضل ترین کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ہلکا شعبہ ہر اس شے کو راستے سے ہٹانا ہے جس سے راہ گیروں کو تکلیف پہنچے جیسے پتھر، کانٹا وغیرہ جیسی اشیاء۔ اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

حدیث نمبر ۳۶:

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہالت غالب آجائے گی، زنا پھیل جائے گا، شراب نوشی عام ہو جائے گی، اور مردوں میں کمی ہو جائے گی۔ جبکہ خواتین کی تعداد اتنی بڑھ جائے گی کہ پچاس عورتوں کے لیے صرف ایک مرد ہو گا جو ان کی دیکھ بھال کرے گا:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ يحدِّثُكُمْ بِهِ أَحَدٌ غَيْرِي: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ العِلْمُ، وَيَكْثُرَ الجهْلُ، وَيَكْثُرَ الزِّنَا، وَيَكْثُرَ شرب الخمْرِ، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى يَكُونَ لخمْسِينَ امْرَأَةً القَيِّمُ الوَاحِدُ». صحیح البخاری: (کتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، رقم الحديث:82-254/1، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں ایک حدیث بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میرے بعد اسے کوئی آپ سے بیان نہیں کرے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا، جہالت غالب آجائے گی، زنا پھیل جائے گا، شراب نوشی عام ہو جائے گی، اور مردوں میں کمی ہو جائے گی۔ جبکہ خواتین کی تعداد اتنی بڑھ جائے گی کہ پچاس عورتوں کے لیے صرف ایک مرد ہو گا جو ان کی دیکھ بھال کرے گا۔

وضاحت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کہ آپ سے میرے سوا کوئی اور نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ وہ آخری زندہ رہنے والے صحابہ کرام میں سے تھے۔ یا شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ اکیلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان کی تھی اور اس کا خیال تھا کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان نہ کی ہو۔ دوبارہ وہی بیان میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: قیامت کی نشانیوں میں سے

یہ ہے کہ علم چھین لیا جائے گا، جو علماء کی موت سے ہو گا، جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ: "بے شک! اللہ علم کو لوگوں سے چھین کر نہیں چھینتا بلکہ علماء کو چھین کر علم چھینتا ہے۔ دوسری نشانیوں میں جہالت، زنا اور شراب نوشی کا عام ہونا شامل ہے اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور عورتیں اتنی بڑھ جائیں گی کہ ہر پچاس عورتوں کے لیے صرف ایک مرد ہو گا جو ان کی اور ان کے مفادات کا خیال رکھے گا۔ مراد یہ ہو سکتا ہے کہ عورتیں تعداد میں اتنی زیادہ ہوں گی نہ کہ صحیح تعداد حدیث میں مذکور ہے۔ عورتوں کی تعداد میں اضافے کا ذکر علم چھیننے اور جہالت کے پھیلاؤ کے تذکرہ کے ساتھ مطابقت رکھنے کی وجہ یہ ہیکہ اکثر علماء مرد ہیں۔ حدیث میں قیامت کی کچھ نشانیوں ذکر ہے۔ اور حدیث سے واضح ہوا کہ عالم کی موت سے علم چھین جائے گا۔ آخر وقت میں خواتین کی تعداد میں اضافہ ہو گا۔ زنا اور شراب نوشی آخر وقت کے میں عام ہو گی۔ یہ حدیث ان دالائل میں سے ایک ہے جو محمد ﷺ کی نبوت کو ثابت کرتی ہے، جیسا کہ انہوں نے بعض چیزوں کے بارے میں بتایا جو واقع ہونے والی ہیں، اور وہ واقع ہوئی ہیں۔ ان پانچ چیزوں (علم کا سلب ہونا جہالت کا عام ہونا، زنا، شراب نوشی کا عام ہونا اور خواتین کی کثرت) کا وقوع پذیر ہونا دنیا کی بربادی کی علامت ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پچاس پچاس عورتوں میں بیواؤں کی کفالت ایک ہی مرد سے متعلق ہو جائے گی کیونکہ مردوں کی پیدائش کم ہو جائے گی یا وہ لڑائیوں میں مارے جائیں گے۔

حدیث نمبر 37:

مسجدوں کی تعمیر، صفائی اور خوشبو:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ المسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ۔ سنن أبي داؤد: كِتَابُ الصَّلَاةِ (بَابُ اتخاذِ المسَاجِدِ في الدُّور رقم الحديث:452-361/2، ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ محلوں میں مسجدیں بنائی جائیں اور انہیں پاکیزہ، صاف ستھرا اور معطر رکھا جائے۔

وضاحت: رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ محلوں میں مسجدیں بنائی جائیں بایں طور کہ ہر محلے میں ایک مسجد ہو اور انہیں گندگیوں سے پاک اور صاف ستھرا رکھا جائے، ان کی نگہبانی اور حفاظت کی جائے اور ان میں بخور وغیرہ جیسی عمدہ قسم کی خوشبوؤں کا انتظام کیا جائے۔

حدیث نمبر ۳۸:

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کی کرامت:

عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ "أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، وَمَعَهُمَا مِثْلُ المِصْبَاحَيْنِ يُضِيئَانِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا، فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ" صحيح البخاري: (كِتَابُ المَنَاقِبِ، بَابٌ:26رقم.الحديث:3631-542/4،ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت انسؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: کہ نبی ﷺ کے دو صحابہ آپ کے پاس سے اندھیری رات میں نکلے، ان دونوں کے ساتھ منور چراغ کی طرح کوئی چیز تھی، جو ان کے

سامنے روشنی دے رہی تھی۔ جب وہ دونوں علیحدہ ہو گئے تو ہر ایک کے ساتھ اس طرح کا چراغ ہو گیا حتی کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

وضاحت:

اس حدیث میں نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ کرام میں سے دو آدمیوں کی ایک واضح کرامت کا بیان ہے۔ حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ یہ دونوں عباد بن بشر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما تھے۔ ہوا یوں کہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہما ایک ایسی سخت تاریک رات میں نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت اقدس میں تھے، جس میں عموما انسان آسانی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالی نے انھیں ایک عجیب کرامت سے نوازا؛ ان کے سامنے ایک ایسی روشنی پیدا فرمادی، جو بجلی کے لیمپ کی مانند تھی اور وہ ان کے لیے اس راستے کو روشن کر رہی تھی، جس پر وہ چل رہے تھے۔ جب یہ دونوں جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہما جدا ہوئے، تو ہر ایک کے لیے ایک مستقل روشنی پیدا ہو گئی؛ تاکہ ان میں سے ہر ایک آسانی اور اطمئنان کے ساتھ اپنے گھر تک پہنچ سکے اس روایت سے اور اسی طرح دیگر نصوص سے کرامت اولیاء کا حق ہونا ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۳۹:

رات کو سونے سے پہلے احتیاطی تدابیر: حدیث کی روشنی میں:

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَطْفِئُوا المَصَابِيحَ بِاللَّيْلِ إِذَا رَقَدْتُمْ، وَغَلِّقُوا الأَبْوَابَ، وَأَوْكُوا الأَسْقِيَةَ، وَخَمِّرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ - قَالَ هَمَّامٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ - وَلَوْ بِعُودٍ يَعْرُضُهُ صحيح البخاري: كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ (بَابُ إِغْلاَقِ الأَبْوَابِ بِاللَّيْلِ، رقم الحديث:6304- 179/8، ط:دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب رات کو سونے لگو تو چراغ بجھا دیا کرو، دروازے بند کر دیا کرو، مشکیزوں کا منہ باندھ لیا کرو اور کھانے پینے کی چیزیں ڈھانپ دیا کرو۔“ ہمام نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: ”اگرچہ ایک لکڑی ہی سے ہو۔

وضاحت: نبی ﷺ نے برتن کو حشرات اور موذی جانوروں سے بچانے کے لیے ڈھانکنے کا حکم دیا؛ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کوئی وبا اس میں نازل ہو جائے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے مشکیزوں کو باندھ دینے اور دروازے بند کر دینے کا حکم دیا؛ کیونکہ ایسا کرنے میں دینی حکمتیں بھی ہیں اور دنیاوی مصالح بھی۔ آپ ﷺ نے راہ نمائی فرمائی کہ چراغوں کو بجھا دیا جائے، کیونکہ اس سے گھر اور اہل خانہ محفوظ رہتے ہیں؛اس لیے کہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں جلنے کا حادثہ نہ ہو جائے۔ یہ حدیث رات کو سونے کے وقت پر محمول ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ شیطان بند مشکیزے اور دروازے نہیں کھولتا اور نہ ہی بند برتنوں کو کھولتا ہے۔ اگر برتن کو کسی شے سے مکمل طور پر ڈھانکنا ممکن نہ ہو، بایں طور کہ اس میں موجود شے بالکل بھی دکھائی نہ دے اور نہ ہی اسے جزوی طور پر ڈھانکا جا سکتا ہو، تو پھر بھی وہ شخص اسے کھلا نہ رہنے دے، بلکہ اس پر چوڑائی کے رخ ایک لکڑی رکھ دے اور برتن کو ڈھانکتے ہوئے، مشکیزوں کو باندھتے ہوئے اور دروازوں کو بند کرتے وقت ان پر اللہ تعالی کا نام لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چراغ اور اس طرح کی دیگر آتشی اشیا کو اگر ان کے حال پر رہنے دیا جائے اور سونے سے پہلے انھیں بجھایا نہ جائے، تو عموما چوہے اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اور اس وجہ سے بسا اوقات سوتے ہوئے آگ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس حدیث سے احتیاطی تدابیر کو اپنانے کا حکم ملتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اہم اور ضروری ہے، چاہے وہ ذاتی حفاظتی تدابیر ہوں یا سامان و عوارض کی، تاکہ انسان خود بھی محفوظ رہے اور دیگر لوگ بھی محفوظ رہیں۔

حدیث نمبر:40

اسلامی عقائد میں بہت اہم اور بنیادی عقیدہ ”عقیدۂ ختم نبوت“ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صﷺ قَالَ: "إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَة)) قَالَ: ((فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ. صحيح البخاري: (كِتَابُ المنَاقِبِ بَابُ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ ﷺ،رقم الحديث:3531-4/491 ، ط: دار التاصيل)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاءؑ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا اور اسے بہت

خوبصورت تیار کیا مگر ایک کونے میں اینٹ کی جگہ چھوڑدی۔ اب لوگ آکر اس کے ارد گرد گھومتے ہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی. آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

وضاحت:

اسلامی عقائد میں بہت اہم اور بنیادی عقیدہ "عقیدۂ ختم نبوت" ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جن وانس کی رشد وہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا عظیم الشان سلسلہ جاری فرمایا، اس سلسلہ کو سید المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر پر مکمل فرمایا، اب قیامت تک کسی کو نبی بنایا نہیں جائے گا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں جس طرح شرکت ممکن نہیں، اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں بھی شرکت ممکن نہیں، جس طرح نبی صادق کو نہ ماننا اوران کی تکذیب کرنا کفر ہے، اسی طرح جھوٹے مدعِی نبوت کو ماننا اوراس کی تصدیق کرنا بھی کفر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ ماننے کے باوجود اگر کوئی بدنصیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا یقین نہیں رکھتا یا ختمِ نبوت میں کسی بھی طرح کی تاویل کرے، تو وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج اور

ایمان سے قطعاً محروم ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لیے ایک مثال بیان کی ہے۔ اللہ جل جلالُہ نے جب ایک طرف عالم کی بنیاد رکھی، تو اسی کے ساتھ دوسری طرف قصرِ نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی، یعنی عالم میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا تھا، اسی کو قصر نبوت کی خشتِ اول قرار دیا، اِدھر عالم بتدریج پھیلتا رہا، اُدھر قصرِ نبوت کی تعمیر ہوتی رہی، آخرکار عالم کے لیے جس عروج پر پہنچنا مقدر تھا، پہنچ گیا، ادھر قصرِ نبوت بھی اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے ساتھ مکمل ہو گیا اور اس لیے ضروری ہوا کہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی تھی، اس کے انتہاء پر رسولوں کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا جائے؛ تاکہ قدیم سنت کے مطابق آئندہ اب کسی رسول کی آمد کا انتظار نہ رہے یہی بات اس حدیث سے واضح ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

نظر ثانی:

کتاب " الاربعین للمداخیلی "کا بغور جائزہ لیا۔ چالیس احادیث کا یہ مجموعہ معاشرے کی اصلاح وتربیت کے موضوع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر مشتمل ہے۔ نظر ثانی و مطالعہ کے مطابق یہ مجموعہ عبارتی غلطیوں سے پاک ہے۔ اللہ رب العزت فاضل مؤلف کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور یہ مجموعہ معاشرے میں رہنما کردار ادا کرے۔

آمین۔

(مفتی) محمد طارق (ابن سلیم)

فاضل جامعہ بنوریہ العالمیہ، متخصص جامعہ اسلامیہ کلفٹن